٢٦

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحؒ

نے فرمایا

خارش کی متعدی مرض کی طرح زنا بھی متعدی مرض ہے۔ کہ جس طرح خارش زدہ مریض ایک وقت میں اپنے جسم کے ناپاک حصہ کی خارش کر رہا ہوتا ہے اور اسی وقت اسی ہاتھ سے اپنے چہرہ اور سر میں بھی خارش کرتا ہے اچھے اور بُرے کی تمیز نہیں کرتا بعینہٖ اسی طرح زنا کرنے والا شخص اچھے اور بُرے اپنے اور غیر میں حتیٰ کہ محرم اور غیر محرم کی بھی تمیز سے بے نیاز ہو جاتا ہے اسی لئے اسلام میں اس کی سزا رجم ہے تاکہ یہ متعدی مرض آگے نہ پھیل سکے۔

(مرسلہ: بشیر احمد چوہان)

اَحَادِیثُ الرَّسُول صلی اللہ علیہ وسلم

مرویات معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ —— (۳۱) —— محمد سعید الرحمٰن علوی

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ خَرَجَ مُعَاوِیَۃُ (بن ابی سفیان) رضی اللہ تعالیٰ عنہما عَلٰی حَلْقَۃٍ فِی الْمَسْجِدِ فقال مَا اجلسکم؟ قَالُوا جَلَسْنَا نَذْکُرُ اللّٰہَ قَالَ آللّٰہِ مَا اَجْلَسَکُمْ اِلَّا ذَالِکَ؟ قَالُوا آللّٰہِ مَا اَجْلَسْنَا اِلَّا ذالک قال اما انی استحلفکم تھمۃ لکم وما کانَ اَحَدٌ بمنزلتی من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم اقلّ حدیثا عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم مِنّی خَرَجَ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم عَلٰی حَلْقَۃٍ مِّنْ اَصْحَابِہٖ فقال ما اجلسکم قالوا جَلَسْنَا نَذْکُرُ اللّٰہَ تعالیٰ ونحمدہ عَلٰی مَا ھَدَانَا مِنَ الْاِسْلَامِ قال آللّٰہ ما اجلسکم الّا ذالک؟ قالوا آللّٰہ مَا اَجلسنا الّا ذالک قال اما انی لم استحلفکم تھمۃ لکم ولٰکن اتانی جبریل فاخبرنی ان اللہ یباھی بکم الملائکۃ۔ (کتاب الزھد والرقائق ص ۳۹۶)

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خود ایک جلیل المرتبت صحابی ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان الاموی القرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہما گھر سے نکل کر مسجد تشریف لائے تو کچھ حضرات حلقہ کی شکل میں مسجد میں موجود تھے آپ نے ان سے اس طرح اس نشست کی وجہ معلوم کی تو انہوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے اس طرح بیٹھے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر فرمایا کہ تمہارا بیٹھنا واقعی اسی غرض سے ہے؟ ان حضرات نے (اللہ تعالیٰ کی ان پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں) اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر فرمایا کہ ہاں اس کے علاوہ ہمارا بیٹھنے کا کوئی مقصد نہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ مَیں نے کسی تہمت کے سبب تمہیں قسم نہیں دی بلکہ اصل قصہ یہ ہے کہ کوئی شخص میری طرح حضور علیہ السلام سے کم روایت کرنے والا نہیں باوجودیکہ اتنا تعلق اور ایسی قدر و منزلت بھی حاصل ہوا بڑے بڑے اجل اور جلیل المرتبت صحابہ کرام علیہم الرضوان کے قلیل الروایت ہونے کے کچھ خاص اسباب ہیں جن پر الگ سے کسی وقت تفصیلی گفتگو انشاء اللہ تعالیٰ کی جائے گی)۔ بالکل ایسی ہی شکل جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم کے ساتھ پیش آئی۔ آپ گھر سے نکل کر مسجد تشریف لائے تو اس طرح مسجد میں اپنے عزیز رفقاء کا حلقہ موجود پایا ان سے اس نشست کی جو وجہ معلوم کی تو انہوں نے عرض کیا کہ ہم یاد الٰہی کے لئے یوں بیٹھے ہیں اور مزید یہ کہ اس عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف کر رہے ہیں کہ اس نے کفر و شرک اور رواج پرستی کے اندھیروں سے نکال کر ہمیں دین اسلام کی روشنی نصیب فرمائی — حضور علیہ السلام نے انہیں قسم دے کر فرمایا کہ کیا تمہارا بیٹھنے کا مقصد یہی ہے اس کے علاوہ اور غرض تو نہیں؟ ان حضرات نے کہا۔ حاشا للہ ہمارا بالکل یہی مقصد ہے اس کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں ہم محض اسی کے لئے بیٹھے ہیں۔

(باقی ۶ پر)

جلد ۲۶ ✦ شمارہ ۲۵
۲ رجب المرجب ۱۴۰۱ھ ✦ ۸ مئی ۱۹۸۱ء

—— اس پرچہ میں ——

—— رئیس الادارہ ——
پیر طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ
—— مدیر منتظم ——
مولوی محمد اجمل قادری
—— مدیر ——
محمد سعید الرحمٰن علوی

بدل اشتراک	سالانہ -/۶۰، ششماہی -/۳۰
	سہ ماہی -/۱۵، فی پرچہ ۱/۵۰

غیرتِ ایمانی

صدیوں پہلے یہی ایّام تھے جب رسول مکرّم نبی معظم قائدنا الاعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم کے محبوب ترین ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دنیا سے رخصت ہو کر اپنے محبوب آقا کے پہلو میں مدفون ہوئے —— آپ کی زندگی بڑی عجیب تھی فیلسوف اسلام، حکیم الامت الامام ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ کے بقول آپ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی، ان بزرگوں میں سے ہیں جو "دورِ جاہلیت" میں بھی شرک اور اخلاقی برائیوں سے الگ تھلگ تھے بقول شاہ صاحب ان حضرات کی فطرت، انبیاء علیہم السلام کی فطرت کے مشابہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب مکہ معظمہ میں اسلام کی پہلی منادی ہوئی تو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی قسم کی حیص بیص کے بغیر دامنِ نبوت سے اپنے آپ کو وابستہ کر لیا۔ حضور علیہ السلام کو اپنے اس عزیز سے جو تعلق تھا اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ بجز صدیق اکبر رض مَیں نے سب کے احسانات چکا دیئے، کوئی آپ سے متعلق ذرا سی بات کہتا تو آپ شدت سے محسوس کرتے اور فرماتے کہ جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا تو انہوں نے ہی میری تصدیق کی۔ اپنی بے پناہ دولت اسلام کی خاطر میرے قدموں میں ڈھیر کر دی۔ اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ حمیراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو میرے نکاح میں دے دیا —— صدیق رض نورِ نبوّت سے اس طرح مستفید ہوئے کہ سرکارِ دو عالم علیہ السلام نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت انہیں اپنے مصلّٰی پر کھڑا کیا۔ مصلّٰی پر کھڑا کرنا نہ صرف ان کے "امام الصلوٰۃ" ہونے کی اہلیت کو ظاہر کرنا تھا، بلکہ اپنے بعد اپنی نیابت کا اس میں بلیغ اشارہ بھی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ جسے سرکار ﷺ نے ہمارے دین کا نگران بنایا اسے ہم نے اپنی دنیا کا بھی نگران بنا لیا۔

فرضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

آپ کا مختصر دورِ خلافت بڑا ہنگامہ خیز تھا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہونے کے سبب دنیائے کفر و نفاق یہ سوچنے لگی تھی کہ دین کی گاڑی جام ہو جائے گی۔ ان کا خیال یہ تھا کہ یہ دین محمد کریم علیہ السلام کے گرد اگرد گھومتا ہے لیکن ربِ محمد (صلی اللہ علیہ و اصحابہ وسلم) یہ واضح فرما چکے تھے کہ دین تو ہم نے نازل فرمایا ہے۔ محمد عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم) ہمارے نمائندے اور رسول تھے۔ ان کا دنیا سے جانا لابدی امر ہے، کہ سنتِ الٰہی یہی ہے لیکن وہ جس مقصد کی خاطر مکہ سے مدینہ تک سرگرم عمل رہے اس مقصد کو کوئی زک نہیں پہنچا سکتا ـــــ یوں شخصیت پرستی کی جڑ کاٹ دی گئی اور بتلا دیا گیا کہ دین اسلام کا محور شخصیت پرستی نہیں خدا پرستی ہے۔ انہی لائنوں پر صدیق اکبرؓ آگے بڑھے۔ جو لوگ محمد عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم) کے سانحۂ ارتحال سے غمزدہ ہو کر شدتِ جذبات میں ایسی باتیں کہہ رہے تھے جو مناسب نہ تھیں انہیں جھنجھوڑا اور ایسا کہ ان کی آنکھیں کھل گئیں اور پھر وہ سب لوگ دین اسلام کے پیغام اخوّت و مساوات کو دنیا کے آخری کنارے تک پہنچانے کے لئے سرگرم عمل ہو گئے ـــــ ان قدسی صفات بزرگوں نے اپنے عظیم قائد و امام سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں جھوٹے مدعیانِ نبوّت، مانعین زکوٰۃ اور تثلیث کے پجاریوں کا ایسا تعاقب کیا کہ دارالاسلام کا کونہ کونہ امن و عافیت کی جنّت بن گیا اور جہاں لوگ قیصر کی خدائی کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے وہ اس سے آزاد ہو کر آزادانہ زندگی گذارنے لگے۔

ان سب واقعات کے پسِ پردہ اصل چیز حضرات صحابہ علیہم الرضوان کی غیرتِ ایمانی تھی۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں بھی ان سب سے آگے تھے ـــــ جب انہیں ایک خاص موقعہ پر نرمی کا مشورہ دیا گیا تو ان کا جواب یہ تھا کہ "میں زندہ ہوں اور دین میں کمی کی جائے؟ ناممکن!" یہ محض نعرہ نہ تھا عملی پروگرام تھا۔ پھر انہوں نے عملاً ایسا کر دکھایا اور جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو مجاہدینِ اسلام دور دور تک پہنچ چکے تھے، اور اب راستے کی مشکلات بہت حد تک دور ہو چکی تھیں۔

آج جو حالات کا اُلٹ پھیر ہے وہ اسی سرمایہ سے محرومی کے سبب ہے جس کا نام ہے غیرتِ ایمانی!

آئیں اس نعمت غیر مترقبہ کی بھیک مانگیں کہ اسی سے قوم پنپ سکتی ہے۔

علوی

۹-۷۹

بقیہ : خطبہ جمعہ

تھا اتنا ہی آج مجروح ہے ـ مختلف طرح کی خرافات اور بدعقیدگیاں انسان نے اپنا رکھی ہیں جو سراسر زیادتی اور بدبختی ہے، اس سے اللہ کا کچھ نہیں بگڑتا انسان خود برباد ہو جاتا ہے ـــــ آئیں اس عقیدہ کو پختگی سے اپنا لیں کہ ہمارا تمہارا سب کا رب ایک اللہ ہے۔ یہی سیدھی راہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائے۔ آمین! وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

مجلسِ ذکر

ضبط و ترتیب : علوی

خوش قسمت اہلِ ایمان کون ہیں؟

شیخ طریقت مولانا عبیداللہ انور دامت برکاتہم

بعد از حمد و صلوٰۃ۔

حضور نبی مکرم شافع روز محشر سرور کائنات علیہ التحیۃ والثنا کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں جنہیں "حبرِ اُمت" اور "ترجمان القرآن" جیسے القابات سے یاد کیا جاتا ہے۔ چھوٹی عمر میں ان کی سعادتمندی کے سبب حضور علیہ السلام نے انہیں دعائے خیر و برکت سے نوازا۔ بس نبیؐ کی دعا ایسی قبول ہوئی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قرآنی تفسیر میں سند و اتھارٹی قرار پائے ـــــ ان سے ایک روایت منقول ہے کہ سفر کے دوران ایک صبح آپؐ نے پانی معلوم کیا تو اتفاق سے پانی نہ تھا۔ آپؐ نے فرمایا کسی کے پاس پیالہ یا چھوٹی مشک ہو تو لے آؤ۔ برتن جو لایا گیا تو آپؐ نے اس میں اپنی انگلیاں ڈالیں، پھر کیا تھا اس طرح پانی کے چشمے ابلنے لگے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے! اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پانی کے لئے پریشان ہوئی تو عصا کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پتھر پر مارا بارہ چشمے پیدا ہو گئے کیونکہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے چنانچہ حضور علیہ السلام نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا لوگوں سے کہیں کہ وضو کر لیں چنانچہ لوگ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے، وضو کرتے۔ جب سب حضرات نے وضو کر لیا تو آپؐ نے صبح کی نماز پڑھائی لوگ بیٹھ گئے تو آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور سوال کیا کہ آپ لوگوں کا کیا خیال ہے کہ سب سے زیادہ عجیب و غریب ایمان کس کا ہے؟ ایمان کے اعتبار سے خوش قسمت ترین افراد کون ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا فرشتے! صحابہؓ کا خیال یہ تھا کہ وہ معصوم ہیں، پاک ہیں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے، انہیں حریم کبریا کا قرب حاصل ہے وہ یقیناً بڑے خوش قسمت ہوں گے۔ اور ہیں بھی، اس میں شک نہیں لیکن سرکارؐ کا مدعا اور تھا۔ اس لئے آپؐ نے فرمایا کہ بھائی! فرشتوں کا ایمان تو کوئی اتنی تعجب کی بات نہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کے مقرب ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے معاملات کا مشاہدہ کرتے ہیں صحابہؓ نے عرض کیا کہ پھر یہ مرتبہ انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوگا۔ اور اپنے طور پر بات بھی صحیح ہے۔ ان حضرات سے بڑھ کر خدا کا اس دنیا میں مقبول و محبوب کون ہے؟ جن پر وحی نازل ہوتی ہے، جن کے پاس اللہ تعالیٰ کے پیغام آتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے لئے ہادی و رہنما ہیں۔ ان سے بڑھ کر خوش قسمت کون ہے ـــ؟ لیکن آپؐ نے فرمایا کہ میاں! ان پر تو آسمان سے وحی آتی ہے، وہ بھلا کیسے ایمان نہ لائیں، تب حاضرین نے عرض کیا پھر آپ کے صحابہؓ کو

یہ مقام رفیع حاصل ہوگا اور ان حضرات کا یہ کہنا بھی صحیح تھا کہ وہ لوگ اللہ تعالےٰ کی طرف سے سرکارؐ کی خدمت و رفاقت کے لئے چُنے گئے اور ان حضرات کو بڑی عزت وسعادت نصیب ہوئی لیکن آپؐ نے فرمایا کہ یہ بھی نہیں کیونکہ انہوں نے مجھے تو دیکھا، میری رفاقت و معیت حاصل کی، مجھ سے براہ راست دین سیکھا —— اب ظاہر ہے صحابہ علیہم الرضوان کو تعجب ہُوا کہ نہ فرشتے نہ انبیار نہ صحابہ تو پھر کون ہے جو خوش قسمت ہے اور جس کا ایمان سب سے زیادہ عجیب ہے۔ اس تعجب کو آپ نے خود دور کیا اور فرمایا کہ وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے، مجھے نہ دیکھنے کے باوجود مجھ پر ایمان لائیں گے میرے دیدار کے بغیر میری تصدیق کریں گے۔ ان کا ایمان تعجب کا باعث ہے اور یہ لوگ میرے بھائی ہیں۔

حضرات محترم! انبیار وصحابہ اور فرشتوں کی قدر ومنزلت، ان کا مقام رفیع اپنی جگہ مسلّم —— لیکن جنہوں نے حضور علیہ السلام کو نہیں دیکھا، جنہوں نے نزول وحی کا مشاہدہ نہیں کیا لیکن انہیں ایمانؐ کی دولت نصیب ہوئی —— ان کی خوش قسمتی کا کیا کہنا؟ خود حضور علیہ السلام ان کے ایمان کی تعریف کر رہے ہیں۔ انہیں سراہ رہے ہیں۔

آپ حضرات محسوس کریں کہ زمانہ نبوت سے بُعد کے باوجود آپ یہ عزتیں، یہ کامرانیاں اور یہ سعادتیں حاصل کر سکتے ہیں بشرطیکہ سرکارؐ کے صحیح غلام اور امتی بن جائیں ہمارے بزرگوں نے ساری عمر اسی کی تبلیغ کی اسی کے لئے محنت کی کہ محمدؐ کریم علیہ السلام کے غلام بن جاؤ۔ ہم بھی ان حضرات کی مسند پر بیٹھ کر یہی عرض کریں گے کہ غفلت کی زندگی چھوڑ دیں اللہ سے لو لگا لیں، پیارے اور کریم نبیؐ کی شریعت اور آپ کا اسوہ اپنا لیں پھر یہ ساری دنیا آپ کی ہے اور یہ دلدّر خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ اللہ تعالےٰ حسنِ عمل سے نوازے۔

بقیہ : احادیث الرسول

آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے کسی تہمت کی وجہ سے تمہیں قسم نہیں دی بلکہ اصل بات یہ ہے کہ میرے پاس حضرت جبریل امین علیہ السلام تشریف لائے اور مجھے اس بات کی خبر دی کہ اللہ تعالےٰ تمہارے اس عمل کی وجہ سے فرشتوں کے سامنے تم پر فخر اور خوشی کا اظہار فرما رہے ہیں۔

حدیث کا اس انداز سے ترجمہ ہم نے عرض کر دیا کہ وضاحت طلب باتیں درمیان میں آ گئیں۔

انسان اشرف المخلوقات ہے اللہ تعالےٰ نے اسے اپنا نائب و خلیفہ بنایا ہے۔ وہ اگر اپنے مقام کو پہچان لے تو اس سے بڑھ کر کوئی سعادت کی بات نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے بندے پر جتنا کرم کیا ہے اس کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ انسان اس کی یاد، اس کے ذکر و فکر میں اپنا وقت عزیز (جو اسی کا عطیہ ہے) گذارے۔ سرور کائنات علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ "تمہاری زبانیں ہمیشہ اس کے ذکر سے تر رہنی چاہئیں اور" خود آپؐ کے متعلق اُمّ المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا و رضوانہ ارشاد فرماتی ہیں کہ آپ ہمیشہ یاد الہیٰ میں مستغرق رہتے کہ یہ شغل اتنا پسندیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے اپنے ان بندوں پر فخر و خوشی کا اظہار فرماتے ہیں۔ اور خوش ہوتے ہیں کہ میرے بندے میری یاد میں مشغول ہیں —— دیکھا آپ نے جبریل امین علیہ السلام خبر لے کر آئے اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم خود مسجد میں تشریف لائے اور ان اہلِ سعادت کو دیکھا، ان سے باتیں کیں اور خوشی کا اظہار فرمایا۔

اللہ تعالےٰ اپنی یاد کی نعمت سے نوازے۔ آمین!

خطبہ جمعہ

ضبط وترتیب : علوی

سیدھی راہ

اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیۡ وَ رَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡہُ ؕ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ۔

(آل عمران ۵۱)

محترم حضرات! سورۂ آل عمران کی آیت ۵۱ آپ کے سامنے تلاوت کی گئی ہے۔ پہلے ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:۔

"بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے، اسی کی بندگی کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ (حضرت لاہوریؒ)

یہ آیت کریمہ حضرت عیسٰی علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ و السلام کی طویل گفتگو کا حصہ ہے جسے قرآن عزیز نے نقل کیا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام انبیار بنی اسرائیل میں سے بڑے جلیل المرتبت نبی تھے۔ جس طرح ان کی پیدائش بن باپ عجیب و غریب طریق سے ہوئی اسی طرح ان کی زندگی عجیب وغریب طریق سے گذری تا آنکہ اللہ تعالےٰ نے یہود کے شر سے بچانے کے لئے انہیں زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا جس کا ذکر اس سورت میں اور کئی دوسرے مقامات پر موجود ہے احادیث میں اس سلسلہ میں بڑی تفصیلات ہیں اور یہ طے شدہ مسلم اجتماعی عقیدہ ہے کہ وہ قرب قیامت میں دوبارہ تشریف لائیں گے ——

سورۂ زخرف کی آیت ۶۱ کا ترجمہ ہے:۔

"اور البتہ عیسٰی (علیہ السلام) قیامت کی ایک نشانی ہے پس تم آپس میں شبہ نہ کرو اور میری تابعداری کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔"

(حضرت لاہوری قدس سرہٗ)

حضرت لاہوری قدس سرہٗ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"عیسٰی علیہ السلام تو علامات قیامت میں سے ایک ہیں ان کے متعلق بحث چھوڑ دو۔"

(ص۸۶)

حضرت عیسٰی علیہ السلام کی والدہ محترمہ حضرت مریم سلام اللہ تعالیٰ علیہا و رضوانہ تھیں جن کی پیدائش سے قبل ان کی والدہ یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نانی محترمہ نے نذر مانی —— یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ حمل سے تھیں۔ نذر یہ تھی کہ جو بچہ پیدا ہوگا اسے اللہ تعالےٰ کے دین کی نذر کر دوں گی۔ اتفاق یہ کہ بچی پیدا ہوئی یعنی حضرت مریم، تو انہوں نے افسوس کا اظہار کیا۔ لیکن اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ ہم نے اس بچی کو ہی حسن قبول سے نوازا اور ان کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کا سرپرست و کفیل مقرر کر دیا۔ یہ وہی حضرت زکریا علیہ السلام ہیں جن کے صاحبزادے حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں دونوں باپ بیٹا خدا کے پیغمبر تھے۔ بعض لوگوں نے حضرت مریم کے کفیل حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق عجیب و غریب باتیں کی ہیں اور کہا ہے کہ یہ وہ حضرت زکریا نہیں حالانکہ یہ باتیں قرآن عزیز سے ناواقفیت کی بات ہے۔

بہرحال حضرت مریم علیہا السلام جب جوان ہو گئیں تو قرآن عزیز کے بقول ان کے پاس فرشتہ آیا —— یہ تفصیلی واقعہ

سورۃ آل عمران اور سورۃ مریم
میں ہے ـــــ اس فرشتہ نے حضرت
مریمؑ کو کہا کہ آپ کے لئے اللہ
تعالیٰ نے صاحبزادے کا فیصلہ کیا
ہے۔ اس پر حضرت مریم پریشان
ہو گئیں۔ انہوں نے کہا۔

"اے میرے رب! مجھے بیٹا
کیسے ہو گا حالانکہ مجھے کسی
آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا"۔

جواب میں ارشاد فرمایا گیا۔

"اسی طرح اللہ جو چاہے پیدا
کرتا ہے۔ جب کسی کام کا
ارادہ کرتا ہے تو اس کو
یہی کہتا ہے کہ ہو جا، تو
وہ ہو جاتا ہے"۔

(حضرت لاہوریؒ۔ آل عمران ۴۷)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا
ارشاد ہے:۔

"اور اس کو کتاب سکھائے گا
اور دانش عطا فرمائے گا۔
اور توریت اور انجیل اور
اس کو بنی اسرائیل کی طرف
پیغمبر بنا کر بھیجے گا"۔

اس کے بعد ان کی گفتگو ہے
جس کا ترجمہ ہے:۔

"بے شک میں تمہارے رب
کی طرف سے تمہارے پاس
نشانیاں لے کر آیا ہوں۔
کہ میں تمہیں مٹی سے ایک
پرندہ کی شکل بنا دیتا ہوں
پھر اس میں پھونک مارتا
ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے
اڑتا ہوا جانور ہو جاتا ہے
اور مادر زاد اندھے اور
کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں
اور اللہ کے حکم سے مردے
زندہ کرتا ہوں اور تمہیں
بتا دیتا ہوں جو کھا کر
آؤ اور جو اپنے گھروں میں
رکھ کر آؤ ـــــ اس میں
تمہارے لئے نشانیاں ہیں
اگر تم ایماندار ہو"۔

(آل عمران: ۴۹)

اس کے بعد مزید انہی کی
گفتگو ہے جس میں توریت جو بنی
اسرائیل کی مرکزی کتاب تھی اس کی
تصدیق کا ذکر ہے اور بعض چیزیں
جن کا استعمال اس سے قبل درست
نہیں تھا ان کے حلال ہونے کا ذکر
ہے اور یہ فرمایا گیا ہے کہ میں
تمہارے رب کی طرف سے نشانی
لے کر آیا ہوں پس اللہ سے ڈرو
اور میرا کہا مانو! بعد ازاں وہ
آیت ہے جس کا ترجمہ آپ نے
ابتدا میں ملاحظہ فرمایا ـــــ حضرت
قدس سرہٗ اس پر فرماتے ہیں:۔

"جس طرح میرے ارادے خدا
تعالیٰ نے پورے کئے ہیں
اسی طرح تم بھی اگر ایک
خدا تعالیٰ پر اعتماد کر لو۔
تو تمہارے ہاتھ پر بھی
اسی قسم کے اثرات ظاہر
ہوتے رہیں گے"۔ (صت)

حضرات محترم! اللہ تعالیٰ
کی ذات جو ہمارے اور سب مخلو
کے خالق ہیں ہر انسان کا نفع
نقصان ان کے قبضہ میں ہے۔ ا
کے متعلق تمام انبیاء علیہم السلا
کی تعلیمات میں بنیادی عنصر کے
طور پر یہی حصہ تھا جس میں
انسانوں کو اپنے رب کی معرفت
پہچان کی تعلیم دی گئی ہے۔
مادی اور منکر خدا اللہ تعالیٰ کے
وجود کے اس لئے منکر ہیں کہ
محسوس نہیں ہوتا ان کے متعلق حکیم
ابن سینا اشارات میں فرماتے ہیں
کہ انہیں چاہیئے کہ وہ اپنی
اپنے سانس کا بھی انکار کر دیں
یہ کہاں نظر آتے اور کہاں محسوس
ہوتے ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ کی
پہچان یہی ہے۔ کہ وہ نظر نہیں
آتا لیکن سب کچھ وہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب
قرآن عزیز کا معتد بہ حصہ اس
عقیدہ کی وضاحت کے لئے
نازل ہوا مختلف انداز سے حضرت
حق کے کمالات صفات اور ا
کی قدرت کو بیان فرمایا گیا انسا
کو جھنجھوڑا گیا۔ ایک جگہ ہے
تم اپنے مملوک و غلام کو اپ
مال میں اپنے برابر نہیں دیکھ
تو خالق و مخلوق کیسے برابر ہو
سکتے ہیں۔ یہ عقیدہ جتنا ا

(باقی ۴ پر)

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ مبارک کا احترام

سوال: آج کل نہ صرف جدید تعلیم
یافتہ طبقہ بلکہ اکثر مسلمان اور بعض مولوی
صاحبان بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم
مبارک عام لوگوں کے ناموں کی طرح لیتے
ہیں۔ تقریروں اور تحریروں میں "محمد صلعم" یا
"اے محمد" کہتے اور لکھتے ہیں۔ جب ان سے
کہا جاتا ہے کہ ایسا کرنا ادب اور تعظیم کے
خلاف ہے تو فرماتے ہیں کہ:۔

"اصل تعظیم اور ادب دل
سے ہے یا چند رسمی الفاظ سے؟
عیسائی ہم لوگوں کی طرح بائیبل کو
جزدان میں نہیں رکھتے مگر سچی تعظیم
کرتے ہیں اور باوجودیکہ حضرت
مسیحؑ کو نبوت سے بھی بلند درجہ
دیتے ہیں مگر ہمیشہ بے تامل صرف
مسیح لکھتے ہیں علاوہ بریں بعض
موقعوں پر اختصار کی ضرورت
ہے اور بعض مقاموں پر اس
وجہ سے کہ زورِ عبادت قائم
نہیں رہتا"

جواب: بے شک سچا ادب و احترام
وہی ہے جو دل سے ہو نہ کہ زبان سے،
مگر صرف اس پر موقوف نہیں اور اس کا
کوئی خیال اور اعتقاد ایسا نہیں ہے،
جس کا گھر دل کی جگہ حلق میں ہو۔
اعتقاد چیز ایسی ہی ہے جو دل اور دماغ
دونوں سے تعلق رکھتی ہے لیکن اس کے
ساتھ یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ دل
کے اعتقاد کا ترجمان کون ہے کیوں
کر معلوم ہو کہ یہ دل ابو ذر غفاریؓ
کا ہے اور یہ دل ابوجہل شقی کا؟

جواب صاف ہے کہ صرف اعمال
اور جوارح کا اعتراف کہ:

"نحن نحکم بالظواهر"

اگر یہ نہ ہو تو پھر دنیا میں سیاہ و
سفید کی تمیز اٹھ جائے۔

قانون کو دیکھئے کہ وہ نیت اور
ارادے کو ان کی پوری جگہ دینے سے
انکار نہیں کرتا لیکن ساتھ ہی اگر عدالت
میں جاکر مجسٹریٹ کو "یور آنر" کی جگہ
محض "تم" کہہ کر خطاب کیجئے گا تو گو
آپ کتنا ہی کہیں کہ تعظیم کی جگہ دل ہے
لیکن امید نہیں کہ وہ آپ کو دفعہ ۱۷۷
سے بری کر دے۔ مذہب بھی ایک
روحانی قانون ہے۔ اس نے خود ہی اعمال
بالنیات کا اصول قائم کیا ہے۔ لیکن
ساتھ ہی اعمالِ ظاہری و لسانی کو بھی
اہمیت دیتا ہے اور ہم نے نہایت سچی
تعریف عقائد میں اسلام کی تسلیم کر لی
ہے۔ "اقرار باللسان و تصدیق بالجنان
و عمل بالارکان"۔

آپ کہتے ہیں کہ تعظیم کی اصل جگہ
دل ہے میں کہتا ہوں کہ چونکہ دل ہے۔
اسی لیے آج کل تعلیم یافتہ اشخاص کی زبان
اور عمل تعظیم سے خالی ہے یہ کیونکر ممکن
ہے کہ جو نام دل کو محبوب و محترم ہو
وہ زبان پر گزرے اور محبت و احترام سے
خالی ہو اگر آپ کسی کو چاہتے ہیں تو سمجھ
سکیں گے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔

قسم بنام تو خوردن دلیل غیرت نیست
بخاکِ پاکِ تو آں ہم کمال بے ادبی نیست

آج کے ارباب تحریر و تقریر کو اکثر
دیکھتا ہوں کہ انہوں نے بقول آپ کے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی
کے تعظیمی الفاظ کے طوالت سے گھبرا کر
"بانی اسلام" کی ایک اصطلاح تصنیف
کر لی ہے وہ بلا تامل اپنی تحریر و تقریر
میں یہ لفظ بھی بولتے اور لکھتے ہیں اور
اس طرح ٹھیک ٹھیک ان کی زبان ان
کے دلی الحاد کی ترجمانی کرتی ہے اگر یہ سچ
ہے کہ ان کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی تعظیم ہے تو ان کو بار بار یہ اسم محبوبؐ مطلوب درود وصلوٰۃ کے ساتھ لینا تھا کہ محبوب کی یاد کی جتنی تقریبیں نکل آئیں، عین مقصود عشق ہے۔ ایک جلیل القدر محدث سے پوچھا گیا کہ آپ کو علم حدیث سے اس درجہ شوق کیوں ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس میں بار بار قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جملہ آتا ہے اور اس طرح اس اسم گرامی کے ذکر اور اس پر درود وسلام عرض کرنے کی توفیق اور تقریب ہاتھ آتی ہے۔

یہ نہ سمجھئے کہ محض اعتقاد جوش و تعظیم احترام اسلامی اعتقاد کا ذریعہ ہے' نہیں بلکہ فی الحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ اسمی تعظیم بھی ایسے نصوص و آیاتِ قطعیہ پر مبنی ہے جس سے کوئی قائل قرآن انکار نہیں کر سکتا۔ بنی تمیم کا وفد جب ایک دفعہ مدینہ منورہ میں آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ ناوانوں نے دروازے پر آپ کا اسم گرامی لے کر پکارنا شروع کیا۔

یا محمدؐ اخرج الینا۔ اللہ تعالیٰ کو اتنی گستاخی بھی گوارا نہ ہوئی ارشاد ہُوا:

"اے پیغمبر جو لوگ آپ کو اپنے مکان کے باہر سے نام لے کر پکارتے ہیں ان میں اکثر ایسے ہیں جن کو مطلق عقل اور تمیز نہیں۔ بہتر تھا کہ وہ صبر کرتے جب آپ باہر نکل آتے تو مل لیتے۔"

ایک اور آیت میں فرمایا کہ:—

اے مسلمانو! جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں عرض کرو تو اپنی آواز کو ان کی آواز سے زیادہ بلند کر کے گفتگو نہ کرو اور نہ بہت زور سے بات چیت کرو جیسا کہ تم آپس میں کیا کرتے ہو ایسا نہ ہو کہ اس گستاخی کے سبب تمہارے اعمالِ صالح ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔"

خداوند تعالیٰ کو یہ بھی گوارا نہیں کہ آپؐ کے جناب میں کوئی اونچی آواز سے گفتگو کرے چہ جائیکہ تعظیم وتکریم کے بغیر نام لیا جائے۔ قرآن کا مطالعہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ خداوند تعالیٰ نے پہلے خود آپ کے امتیازی تعظیمی شان کا ہر جگہ نمونہ قائم کیا جائے جس قدر اولو العزم انبیاء سے قرآن میں مخاطب موجود ہے ہر جگہ ان کا اصلی نام لے کر پکارا جائے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام خداوند تعالیٰ کو اس درجہ ملحوظ ہے کہ تمام قرآن میں جہاں کہیں پکارا ہے تو صدائے تکریم وتعظیم سے اور یا پھر صدائے محبت وعشق سے۔

بہتر از زندگی قامتِ موزوں نازم
یک قبا نیست کہ شائستہ اندام تو نیست

اللہ اللہ جس شہر کی خاک آپ کے قدموں سے مس ہوئی ہے اللہ تعالےٰ کو وہ بھی اس درجہ محبوب ہے کہ قسم کھاتا ہے۔

"اے پیغمبر ہم شہر مکہ کی قسم کھاتے ہیں اور اس لیے کہ تم اس میں مقیم ہو"

حقیقت یہ ہے کہ ولی اعتقاد ایک بیج ہے جو بغیر محبت کی زمین بار آور نہیں ہوتا اور محبت کے لیے احترام و تعظیم ناگزیر ہے۔ محدثین نے اس مسئلہ پر بہت بحث کی ہے اور مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھی اتباع احکام کی طرح اجباری ہے یا اختیاری، کیونکہ محبت اختیاری شے نہیں در اصل مقصود احکام کی پیروی ہے۔ لیکن غور کیجئے کہ اس سوال کی گنجائش نہیں۔

محبت کی اجباری اور اختیاری کا سوال تو جب پیدا ہو۔ جب محبت اور ایمان دو چیزیں ہوں حالانکہ ایمان تو از سرتا پا محبت ہے اور وہ ایمان ایمان نہیں جو محبت سے خالی ہو۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ؕ

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع محبت و محبوبیت الہٰی کے لیے شرط ہے تو محبت بدرجہ اولیٰ شرط ہے "تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب میں اس کے آگے محبوب نہ ہوں، اس کے ماں باپ سے، اس کی اولاد سے اور اتنا ہی نہیں بلکہ تمام انسانوں سے (صحیحین)

"ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے آپ سے کہا کہ آپ محبوب تر ہیں مجھ کو تمام چیزوں سے البتہ اپنی جان سے زیادہ نہیں" تو آپ نے فرمایا۔ قسم خدا کی کوئی مومن نہیں ہو سکتا جبتک مجھ کو اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب رکھے"

اس پر حضرت عمرؓ نے کہا۔ کہ اب میں دیکھتا ہوں کہ آپ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں تب آپؐ نے فرمایا۔

"اب تیرا ایمان کامل ہوگا"——۔

قرآن حکیم کی دُعائیں

نشریہ ریڈیو پاکستان
۱۸/اپریل ۱۹۸۱ء
۵ بجے شام

محمد سعید الرحمٰن علوی

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ الہٖ و اصحٰبہ ومن تبعھم الی یوم عظیم: اما بعد:
اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم:
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:-

وَ ذَاالنُّوْنِ اِذْ ذَّھَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْہِ فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔

قرآن حکیم میں متعدد دعائیں ارشاد فرمائی گئی ہیں جن میں سے بعض تو بعض انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب ہیں تو بعض اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خود سکھائی ہیں۔

سورۂ انبیاء کی جو آیت تلاوت کی گئی اس میں بھی ایک دعا ذکر کی گئی ہے جو اللہ تعالےٰ کے ایک بہت ہی برگزیدہ پیغمبر حضرت یونس علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے واقعات قرآن عزیز میں کئی جگہ ذکر ہیں جبکہ ایک مستقل صورت ان کے نام پر قرآن میں موجود ہے۔

اس سے قبل کہ ان کی اس دعا سے متعلق کچھ عرض کیا جائے نفس دعا سے متعلق کچھ اشارات عرض کرنا ضروری ہیں۔

دعا کے معانی اہل لغت نے پکار، بلانا، پکارنا، مانگنا اور سوال کرنا لکھے ہیں۔ عرف شرعی میں اللہ تعالےٰ سے اپنی حاجات میں فریاد اور اپنی ضرورتوں کو طلب کرنے کو دعا کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے سورۂ مومن کی ایک آیت میں ذکر فرمایا کہ "جو لوگ مجھ سے مانگنے سے تکبر کرتے ہیں وہ دوزخ میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے"۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم نے ایک حدیث میں دعا کو عین عبادت قرار دیا تو دوسری میں دعا کو عبادت کا مغز بتلایا۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ دعا سے بڑھ کر کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں عزیز نہیں۔ اور ایک جگہ ہے کہ جس شخص پر دعا کا دروازہ کھل گیا اس کے لئے رحمت کے دروازے کھُل گئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ایک روایت کے مطابق جس کو امام ترمذی قدس سرہ نے نقل فرمایا ارشاد ہے کہ مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ (جو اللہ سے نہ مانگے اس پر اللہ تعالےٰ ناراض ہوتے ہیں) دعا کی یہی اہمیت ہے۔ جس کی وجہ سے ہر پیغمبر نے اپنی ہر ضرورت میں اللہ ہی کو پکارا۔ اور اسی سے فریاد کی —— حضور علیہ السلام یہاں تک ارشاد فرماتے ہیں کہ تمہاری جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ تعالےٰ سے مانگو۔ جس طرح رکوع و سجود اللہ کے بغیر کسی کے لئے جائز نہیں اور جس طرح اللہ کے گھر کے بغیر کسی گھر کا طواف صحیح نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی سے دعا کرنا بھی درست اور صحیح نہیں —— صرف ایک اللہ کی ذات ہے جس کے حضور دستِ سوال دراز کرنا چاہیئے اور اسی سے اپنی ہر حاجت میں فریاد کرنی چاہیئے۔

حضرت یونس علیہ السلام جو ایک نبی تھے، انہیں ایک خاص موقعہ

پر اللہ تعالےٰ کے حکم سے مچھلی نے نگل لیا تھا جس کی وجہ سے انہیں "ذوالنون" اور "صاحب حوت" کہا گیا ہے یعنی مچھلی والا۔ وہ موصل کے مضافات میں "نینوی" نامی شہر میں مبعوث ہوئے تھے۔ وہاں کے لوگ بھی اسی طرح کی اعتقادی اور عملی خرابیوں کا شکار تھے جس طرح بالعموم دوسری اقوام! آپ نے ان غلط حرکات سے قوم کو روکا، بہتیرا سمجھایا لیکن "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کے مصداق ان کا تمرد اور سرکشی برابر بڑھتی گئی۔ تا آنکہ آپ ناراض ہو کر اور بددعا کر کے بستی سے نکل گئے اور قوم کو فرما دیا کہ تین دن کے اندر اندر تمہیں اللہ تعالےٰ کا عذاب آلے گا۔ ان کے تشریف لے جانے کے بعد قوم گھبرائی اور انہیں یقین سا ہو گیا کہ نبی کی بددعا رائیگاں نہیں جائے گی۔ اس لئے ساری قوم آہ و زاری میں مشغول ہو گئی، بت توڑ ڈالے، توبہ کر لی اور حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کرنے لگے کہ وہ مل جائیں تو ان کی تعلیمات کی روشنی میں زندگی کا نظام درست کیا جائے۔

اِدھر یہ ہو رہا تھا اُدھر حضرت یونس علیہ السلام کشتی میں سوار وہاں سے نکل جانے کی فکر میں تھے لیکن انہیں ایک ابتلاء کا شکار ہو کر دریا میں کودنا پڑا۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب بندے کی حفاظت کا یوں سامان کیا کہ ایک مچھلی نے انہیں نگل لیا اور کمال حفاظت سے انہیں اپنے پیٹ میں ایک مقررہ مدت تک رکھا۔ حضرت یونس علیہ السلام کے اس عمل پر ان کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے بے صبر ہو کر اپنا مستقر اور ٹھکانہ چھوڑ دیا تھا بہت بڑی جسارت اور گستاخی ہے اور ایسی بات کہنا نبوت کے نازک ترین مقام سے ناواقفیت کی دلیل ہے ——— اور پھر جہاں تک حضرت یونس علیہ السلام کا تعلق ہے وہ تنہا نبی ہیں جن کا نام لے کر سرور کائنات علیہ السلام نے فرمایا کہ "لا تفضلونی علیٰ یونس بن متی" (او کما قال علیہ السلام) کہ یونس علیہ السلام پر مجھے فضیلت نہ دو۔

اس کے باوجود کہ انبیاء علیہم السلام میں قرآنی نص کے مطابق باہمی فضیلت ہے اور سرور کائنات علیہ السلام کی تمام جماعتِ انبیاء پر فضیلت مسلّم ہے لیکن اس مقامِ رفیع کی نزاکتوں سے بے خبر و عاری لوگوں کی زبان بندی کی خاطر بطور خاص اس پیغمبر کا نام لے کر فرمایا کہ ان پر مجھے فضیلت نہ دینا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے اس دَورِ ابتلاء میں اللہ تعالےٰ کے حضور جن الفاظ سے فریاد کی۔ وہ ہیں "لا الٰہ الّا انت سبحانک انی کنت من الظالمین"۔ یعنی کوئی حاکم نہیں سوائے تیرے تو بے عیب ہے مَیں تھا گنہگاروں سے ——— (حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی قدس سرہٗ)

حضرت یونس علیہ السلام چونکہ اللہ تعالےٰ کے بھیجے ہوئے مقرب بندے تھے اور اس قسم کے حضرات کی برائے نام زَلّۃ اور ادنیٰ ترین لغزش بھی خدائے بزرگ و برتر کی نظر میں بہت بڑی ہوتی ہے اور اس پر سخت پیرایہ میں تنبیہ کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "حسنات الابرار سیئات المقربین"۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ حضرات جو اس قسم کا اعتراف کرتے ہیں یا انہیں اس قسم کی سخت تنبیہ جو ہوتی ہے تو اس سے ان کی تنقیص نہیں ہوتی بلکہ اس سے ان کی جلالت شان ظاہر ہوتی ہے۔ اس دعا کا نتیجہ کیا ہوا؟ اس کو خود اللہ تعالےٰ نے متصل اگلی آیت میں ارشاد فرمایا۔ "وکذالک ننجی المومنین"۔ ہم اہل ایمان کو اسی طرح بچاتے ہیں۔ یعنی اہل ایمان جب ہمارے حضور فریاد کرتے ہیں اور اپنے دُکھوں اور مصیبتوں میں ہمیں پکارتے ہیں تو ہم ان پر اپنی نظر کرم کرتے ہوئے انہیں بچاتے اور ان کی مشکلات و مصائب کو دُور کر

دیتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے بقول تمہارا رب حیا و کرم کی صفات سے بدرجہ اتم متصف ہے۔ جب بندہ اس کے آگے ہاتھ پھیلاتا اور فریاد کرتا ہے تو اسے شرم آتی ہے کہ انہیں خالی ہاتھ واپس لوٹا دے۔ دعا جیسے تیر بہدف نسخہ کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم لیکن اس کے لئے کچھ آداب و ہدایات ہیں جنہیں رسول علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ان کے بغیر دعا ٹھکانے نہیں لگتی۔ مثلاً آپ نے فرمایا کہ قبولیت کے یقین کے ساتھ دعا مانگو تذبذب اور شک نہیں ہونا چاہیئے۔ دعا کی قبولیت میں جلدبازی اور عجلت ذہن میں نہیں ہونی چاہیے بلکہ اس کو خالقِ کائنات کی حکمت بالغہ پر چھوڑ دینا چاہیئے کہ وہ چاہے تو اس دعا کو اسی طرح فوراً یا کچھ وقفے سے قبول کرے، اس کا نعم البدل عطا فرما دے، اس کے سبب کوئی مصیبت ٹال دے یا اس کو ذخیرہ آخرت بنا دے۔ یہ تمام صورتیں ہیں اور ان میں سے وہی سامنے آتی ہے جو اللہ کی مرضی ہوتی ہے کیونکہ وہ بندوں سے زیادہ ان کی مصلحتوں کو جانتا ہے۔

مزید ارشاد فرمایا کہ اپنے کھانے پینے اور طعام و لباس کی فکر کرو کیونکہ جب آدمی حرام کھاتا، حرام پیتا اور حرام پہنتا ہے تو اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ اللہ تعالےٰ کی ذات پاک ہے، اسے پاکیزگی پسند ہے۔ اس نے اپنے نبیوں کو پاکیزہ خوراک کھانے کی تلقین کی۔ تو ایک شخص حرام سے اپنے جسم کی پرورش کر کے کس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہو سکتا ہے۔ آپؐ نے اپنے حق میں، اپنی اولاد اور اپنے مال کے حق میں بددعا کرنے سے روکا، موت کی تمنا اور دعا سے منع کیا۔ فرمایا کہ دعا کا طریق یہ ہے کہ پہلے اپنے لئے دعا کرو ساتھ دوسرے کے لئے اور اس طرح مانگو کہ ہاتھ کی ہتھیلیاں ملا کر سامنے بلند کر کے تضرع و زاری سے دعا کرو پھر ہاتھ چہرے پر مل لو۔ دعا سے پہلے اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا کرو، سرور کائنات علیہ السلام پر درود کا تحفہ بھیجو اور آخر میں آمین کہو۔ اپنے چھوٹوں سے بھی دعا کراؤ۔ فرمایا غائبانہ دعا خوب قبول ہوتی ہے۔

اسی طرح اولاد کے حق میں والدین کی دعا، مسافر اور مظلوم کی دعا رَد نہیں ہوتی۔ مزید سفرِ حج میں جانے والے، مجاہد فی سبیل اللہ اور بیمار کی دعا کو آپؐ نے بڑا اہم قرار دیا۔ آپؐ نے قبولیت دعا کے خاص اوقات بتائے کہ فرض نماز کے بعد، تلاوتِ کلام پاک کے بعد، جنگ اور بارش کے وقت، کعبہ پر نظر پڑے اس وقت، رات کے آخری حصہ میں، شبقدر میں، عرفہ کے دن میدانِ عرفات میں، جمعہ کے دن ایک خاص ساعت میں اور افطاری کے وقت خوب دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ حضور علیہ السلام سے جو دعائیں منقول ہیں ان میں بعض دعائیں تو خاص اوقات اور خاص احوال کے لئے ہیں۔ تو بعض دعائیں ایسی جامع ہیں جو ہر وقت اور ہر گھڑی کے لئے اکسیر اعظم کا حکم رکھتی ہیں۔ ایک بندہ مومن اور مخلص امتی کا فرض ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے اس ذخیرہ کو اپنے سینہ میں محفوظ کرے جو دعاؤں کے طور پر موجود ہے۔ قرآن و حدیث کی اَن گنت دعائیں ہیں جو انسان کے صبر و سکون، مشکلات و مصائب سے اس کے چھٹکارے، گناہوں سے معافی اور ہر ضرورت کے لئے اپنا ایک اثر رکھتی ہیں۔ بشرطیکہ انسان ان آداب و ہدایات کو ملحوظ خاطر رکھے جو سرورِ کائنات علیہ السلام نے ارشاد فرمائے۔ ان ہدایات کو سامنے رکھ کر جب دست سوال دراز کرے گا تو وہ کریم آقا اتنا سخی و داتا ہے کہ وہ اٹھے ہوئے ہاتھوں کو خالی نہیں لوٹائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں لذت دعا سے آشنا کرے اور اس کا صحیح ڈھنگ عطا فرمائے۔

تحریر: حضرت مولانا انوار الحسن صاحب۔ دیوبند

(قسط نمبر ۲)

حق و باطل کی کشمکش

ذَالِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتبعوا الباطل وان الذين آمنوا اتبعوا الحق من ربهم ۔

ترجمہ: یہ بات اس طرح ہے کہ جنہوں نے کفر کو اختیار کر لیا انہوں نے باطل کا اتباع کیا۔ اور جن لوگوں نے ایمان کو اختیار کیا انہوں نے اپنے رب کی طرف سے حق کا اتباع کیا۔ پھر اپنے اختیار سے مختلف لوگوں کو مختلف حقیقتوں کو اختیار کر لینے اور زندگی بھر اس کے قائم رہنے سے جو مختلف اثرات مرتب ہوں گے، ان کو بھی واضح فرما دیا تاکہ ہر شخص کو سوچ بچار کر کے اپنے لیے راہِ عمل اختیار کرنے میں سہولت ہو

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ ۔

ترجمہ: جس کسی نے اچھے کام کئے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ اس کا ایمان سالم رہا ہو تو ہم اس کو خوشگوار زندگی سے سرفراز فرما دیں گے وہ اپنی ہر حالت میں مگن ہوگا۔ زندگی کے ہر موڑ پر مطمئن ہوگا ہر حال میں اس کا دل پُرسکون ہوگا۔ چاہے ہر طرف سے بلاؤں کا ہجوم ہو۔ مگر وہ صابر و شاکر رہے گا۔

ومن اعرض عن ذكري فان له معيشة ضنكا۔

ترجمہ: اور جس نے ہماری یاد سے غفلت برتی اس کی زندگی کشمکش میں مبتلا رہے گی وہ کبھی مطمئن نہیں ہوگا۔ اس کو سکونِ قلب نہیں ہوگا۔ کبھی دنیا کے مخصوں سے فرصت نہیں ہوگی۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی بے صبر رہے گا اور یوں انسان سمجھ بوجھ کر اپنے اختیار سے کفر و باطل کو پسند کرتا ہے اور ہمیشہ کے لیے دشمن دشمن کا اتباع کر کے مجرم بنتا ہے اور بالآخر دنیا کی حرص سے کبھی مطمئن نہ ہو کر جب مجبوراً دنیا کو چھوڑنا پڑتا ہے تو آخرت کے بُرے نتائج پیش آتے ہیں۔

من يات ربه مجرما فان له جهنم لا يموت فيها ولا يحيى۔

ترجمہ: جو شخص بھی اپنے رب کے پاس مجرم بن کر آئے گا اس کے لیے جہنم ہے نہ تو موت ہی اس مصیبت کو ختم کر سکے گی اور نہ زندگی کا لطف ہوگا جب دنیا میں بھی کشمکش کی زندگی اور آخرت میں بھی جہنم ہو تو اس سے بدتر اور ذلیل دنیا کی اور کون سی چیز ہو سکتی ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ

ترجمہ: واقعی اہلِ کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کو اختیار کر لیا اور مشرکین یہ سب دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔

یہ ہے شیطان و ابلیس کے متبعین کا حال کہ دونوں جہانوں میں خسارہ ہی خسارہ رہا۔

اُولٰٓئِكَ حزب الشيطن الا ان حزب الشيطن هم الخاسرون۔

ترجمہ: یہ شیطانی جماعت ہے۔ یاد رہے کہ شیطانی جماعت ہمیشہ خسارہ میں رہے گی ــــ اور جن لوگوں نے سمجھ بوجھ کر اپنے اختیار سے ایمان کو پسند کیا اور ہمیشہ کے لیے خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام کی فرمانبرداری کے لیے کمربستہ رہے تو ان کو اطمینان کی زندگی اور سکون سے موت نصیب ہوگی۔ اور پھر آخرت میں بہترین نتائج سامنے آئیں گے

ومن ياته مومنا قد عمل الصالحات

فاولٰئك لهم الدرجات العلى۔

ترجمہ: اور جو شخص اپنے رب کا فرمانبردار بن کر حاضر ہوا اور اچھے اعمال ہی کرتا رہا ایسے لوگوں کے لیے اونچے درجے ہیں۔ دنیا میں بھی امن و سکون کی زندگی اور آخرت میں بھی بلند مرتبے جن کو حاصل ہوں اس سے بڑھ کر عزت والا اور کون ہو سکتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۔

ترجمہ: بیشک جن لوگوں نے ایمان کو اختیار کیا۔ اور اعمال صالحہ کرتے رہے۔ ایسے لوگ تمام مخلوق سے بہترین ہیں۔

اور درحقیقت عزت تو پیدا کی گئی ہے اللہ کے لیے اور اللہ کے رسول کے لیے۔ اور ان دونوں کے فرمانبرداروں کے لیے۔

ولله العزة ولرسوله وللمومنين

ترجمہ: عزت تو اللہ ہی کے لیے ہے اور اس کے رسولؐ کے لیے اور مومنین کے لیے ہے۔

یہ ہے اللہ والوں اور رسولؐ کے فرمانبرداروں کا حال کہ دونوں جہان میں یہ جماعت فائز المرام ہے اولٰئك حزب الله الا ان حزب الله هم المفلحون۔

ترجمہ: یہ اللہ کی جماعت ہے یاد رکھو کہ اہل اللہ کی جماعت ہی کامیاب رہے گی۔

بہرحال ایمان و اسلام امرِ حق ہے اور کفر و شرک امرِ باطل ہے اور امرِ حق حسن ہے اور امرِ باطل قبیح ہے اس لیے حق کے ساتھ خدا کی مرضی و خوشنودی وابستہ ہے اور باطل سے اس کی ناراضگی عیاں ہے اور جو امر پسندیدۂ حق ہوگا وہی بلندی و کامرانی کا مستحق ہوگا۔ الحق يعلو ولا يعلى۔

ترجمہ: حق ہی سربلند رہے گا اور کبھی پست نہیں کیا جا سکتا۔

امرِ حق کی رہنمائی اور سرپرستی حق تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے اور اللہ جل شانہٗ اپنے فرمانبردار بندوں کو تاریکی کے گڑھے سے نکال کر روشنی کے مینار پر پہنچا دیتا ہے۔ الله ولي الذين آمنوا يخرجهم من الظلمات الى النور

ترجمہ: اللہ ہی مسلمانوں کا محافظ ہے جو ان کو تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔

اور امرِ باطل کی رہنمائی شیطان و طاغوت کرتے ہیں اور روشنی سے ہٹا کر تاریکی کے گڑھے میں گرا دیتی ہے۔ والذين كفروا اولياء هم الطاغوت يخرجونهم من النور الى الظلمات

ترجمہ: جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا ہے ان کی سرپرست طاغوت ہیں جو ان کو روشنی سے نکال کر اندھیروں میں رکھتے ہیں۔

اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جس نے اس روشنی سے فائدہ اٹھایا اس کی کامیابی یقینی ہے اور جو تاریکی میں بھٹک رہے ہیں ان کی گمراہی بھی یقینی ہے۔

من يطع الله ورسوله فقد فاز فوزاً عظيما ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالاً مبينا۔

ترجمہ: جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے اس نے یقیناً بڑی کامیابی حاصل کر لی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے وہ یقیناً کھلی ہوئی گمراہی میں سرگرداں ہے۔

پھر یہ بھی ایک یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبرداروں کی اس جماعت کی ہر مشکل میں نصرت اور ہر موقع پر تعاون و ہمت افزائی فرماتے ہیں۔

انا لننصر رسلنا والذين آمنوا في الحيوة الدنيا ويوم يقوم الاشهاد

ترجمہ: لازمی طور پر ہم اپنے رسولوں اور مسلمانوں کی امداد دنیا کی زندگی میں بھی کرتے رہیں گے اور اس دن بھی جس روز سب دیکھنے والے موجود ہوں گے۔" بہرحال حق و باطل ابتدائے آفرینش سے قیامت تک ایک دوسرے سے برسرپیکار اور معرکہ آرا ہیں لیکن حق واضح ہو جانے کے بعد باطل کی قوت ٹوٹ جاتی ہے اور حق دل کی گہرائیوں اور دماغ کی پنہائیوں میں سلطنت کرتا ہے۔ جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا

ترجمہ: حق آیا تو باطل فنا کے گھاٹ اتر گیا دراصل باطل مٹنے ہی کی چیز ہے۔

حق ہر دل میں گھر کر لیتا ہے۔ اور رگ و پے میں رچ جاتا ہے اور باطل پر چھا جاتا ہے لیکن باطل کی طرف سے عناد و عداوت کا سلسلہ قائم رہتا ہے اور وہ ہر وقت نبرد آزما رہتا ہے۔ تاہم اللہ کی مدد اہلِ حق کے ساتھ رہتی ہے۔

انهم لهم المنصورون وان

جندنا لھم الغالبون -

ترجمہ: درحقیقت ان ہی لوگوں کی مدد کی جائے گی اور یقیناً ہماری فوج ہی غالب رہے گی۔ اور ظاہر ہے کہ جس طرف نصرت خداوندی ہوگی فتح اسی کی ہوگی۔ نصرٌ من اللہ وفتحٌ قریب - ترجمہ: اللہ کی مدد ہو تو فتح دور نہیں - وبشر المومنین - مسلمانوں کے لیے یہ مژدہ ہے۔

شرط صرف یہ ہے کہ ہر موقع پر ایمان کی سلامتی اور احکام خداوندی کی پابندی پیش نظر رہے تو سربلندی قدم چومے گی۔

انتم الاعلون ان کنتم مومنین

(ترجمہ) تم ہی سربلند رہوگے بشرطیکہ تم ایمان پر قائم رہے۔ اب تک اس مضمون میں قرآنی آیات سے جو نتائج اخذ کئے گئے ہیں وہ صرف خوش فہمیاں نہیں ہیں۔ بلکہ ایمانیات میں داخل ہیں اور شبہ کا کوئی موقع نہیں ہے اور جب اہل حق کے لیے ہی سربلندی ہے اور کامیابی کا سہرا اس کے سر ہے اور اللہ کی امداد اسی کے ساتھ ہے تو ایسے لوگوں کو دنیا میں تکالیف کا سامنا کیوں ہوتا ہے۔ کبھی کبھی حق و باطل کے معرکے کے وقت باطل کے مقابلے میں اہل حق کو ہزیمت اور قتل تک کی نوبت کیوں آتی ہے جیساکہ ہزارہا انبیاء علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے ہاتھوں تکذیب، جلاوطنی مصائب اور قتل وشہادت سے سابقہ پڑتا رہا۔

چنانچہ قرآن پاک میں یہود کو خطاب کرکے فرمایا گیا ہے کہ تمہارے پاس اس بات کا جواب ہے: افکلما جاءکم رسول بما لا تھوی انفسکم استکبرتم ففریقا کذبتم وفریقا تقتلون

ترجمہ: کہ جب کبھی رسول تمہارے پاس احکام خداوندی لائے جو تمہارے من مانی کے خلاف تھے تو تم نے منہ پھیر دیا۔ پھر کسی کو جھٹلایا اور کسی کو قتل کیا۔

پھر دوسری جگہ سوال فرمایا کہ تم تورات اور انجیل کے ماننے والے بنتے ہو توفلم تقتلون انبیاء اللہ من قبل ان کنتم مومنین - ترجمہ: پھر پہلے سے اللہ کے پیغمبروں کو کیوں قتل کرتے رہے ہو۔ اگر تم ایمان رکھتے تھے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف عام اہل حق بلکہ انبیاء علیہم السلام جو انسانیت کے سب سے اعلیٰ درجہ پر حق لانے والے، حق پر رہنے والے اور دوسروں کو حق کی دعوت دینے والے ہوتے ہیں انہیں بھی چین نصیب نہیں ہوا۔

اس عقدہ کو حل کرنے کے لیے چند مقدمات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ حق باطل کے معرکے کے وقت ذلت وعزت کامیابی و ناکامی کی حقیقت واضح طور پر سمجھ میں آ جائے غور فرمائیے انسان جب عملی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو سب سے پہلے اس کو اپنا نصب العین اور مقصد زندگی مقرر کرنا پڑتا ہے۔

اور جس قدر اولوالعزم انسان ہوگا۔ اسی طرح اس کا نصب العین اور مقصد زندگی بھی عظیم ہوگا۔ اسی انداز پر کامیابی کے لیے مسافت بعیدہ مدت طویلہ اور صعوبات عظیمہ کا سامنا ہوگا۔ پھر جو شخص اغراض نفسانی سے بالا ہوکر استقلال کے ساتھ مشکلات پر کرتے ہوئے آگے بڑھتا رہے گا وہ یقیناً منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔ اور اگر کی مشکلات سے گھبرا کر یا نفسانی خواہش میں پھنس کر شدائد سے جان چرا جائے تو مقصود سے کوسوں دور جا پڑے گا اور کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

عام طور پر دنیاوی معاملات میں لیجئے کہ کاشت کار فصل پر پیداوار حاصل کرنے کے لیے، تاجر اپنی تجارت سے حاصل کرنے کے لیے، مزدور اپنی مزدوری صلہ پانے کے لیے اور وکلاء فریق کے مقدمہ کی کامیابی کے لیے، عمال حکومت اپنے اقتدار کی بقا کے ہمدردان ولیڈران قوم اپنی قوم وطن آزادی کے لیے کیسی کیسی مشکلات کرتے ہیں۔ کس کس طرح اپنی جان میں ڈالتے ہیں دن کا کام، رات کا اور چین برباد کرکے ہر وقت حوادث مصائب سے دوچار رہتے ہیں بکدم پر دفعہ گولیوں کی بوچھاڑ اور قید وبند کش ہوگی تک آجاتی ہے اور وہ ان چیزوں خندہ پیشانی سے برداشت کرتے

اور جب جانتے ہیں کہ بلند نصب اور اعلیٰ مقصد کے حصول کے مقا یہ مصائب کوئی حقیقت نہیں اگر کامیابی نہ ہو اور تحریک پر چڑھے۔ تب بھی وہ اس میں شکست سمجھتے ہیں نہ ذلت بلکہ کامیابی کی درمیانی سیڑھیاں سمجھ کر سے طے کی جاتی ہیں۔ حالانکہ یہ

مقصد نہ تو اہم ہی ہیں اور نہ ان کا حصول یقینی ہے۔ بخلاف اسلامی نصب العین مقصد کے کہ وہ خوشنودی ورضائے الٰہی حاصل کرنا ہے جو ایک عظیم اور اہم مقصد ہے اور استقامت جمع رہنے پر کامیابی لیے وعدہ خداوندی ہونے کی وجہ سے مقصد کا حاصل ہونا یقینی بھی ہے۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون -

ترجمہ: درحقیقت جن لوگوں نے اللہ کو اپنا رب تسلیم کرلیا اور اس پر قائم رہے تو ان لوگوں پر فرشتے اترتے ہیں کہ خوف وغم نہ کرو۔ اس جنت کی خوشخبری سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ضرور ہے کہ اس سلسلہ میں ہر قسم کے شدائد سے واسطہ پڑے اور جب بھی اس مقصد کے حصول کے لیے آگے بڑھے گا تو قدم قدم پر مشکلات کا سامنا ہوگا۔ اور کشمکش ہوگی۔ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم -

ترجمہ: کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا وہ چھوٹ جائیں گے اتنا کہہ کر کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی حالانکہ ہم نے ان سے پہلے لوگوں کی آزمائشیں کی ہیں، جو شخص جس قدر پختہ، مضبوط اور مستقل مزاج ہوتا ہے اسی قدر زیادہ اہم کام سپرد ذمہ کیا جاتا ہے تاکہ وہ ہر قسم کے شدائد کو برداشت کرسکے اور ہراساں اور ناامید نہ ہو اور کام کو درمیان نہ چھوڑ دے۔

یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام چونکہ سب انسانوں سے مستقل مزاج اور اور قوی القلب ہوتے ہیں اور ان کے ذمہ کام بھی اہم اور سپرد کیا جاتا ہے اور مصائب بھی شدید آتے ہیں جن کو وہ خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا الانبیاء اشد الناس بلاءً۔

ترجمہ: انبیاء سب لوگوں سے زیادہ شدائد اٹھاتے ہیں پھر جیسے جیسے استقلال میں ضعف کمی ہوتی ہے اسی لحاظ سے امتحان میں ترقی ہوتی ہے،

سئل النبیؐ ای الناس بلاء قال الانبیاء ثم الامثل فالامثل -

ترجمہ: ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سے سخت امتحان کن کا ہوتا ہے حضور نے ارشاد فرمایا۔ انبیاء کرام کا، پھر ان سے جو درجہ میں قریب ہوں اور پھر جو ان سے درجہ میں قریب ہوں۔ پھر جو سخت سے سخت شدائد اٹھاکر بھی ثابت قدم رہتے ہیں ان کو کامیابی کے اعلیٰ مرتبے حاصل ہوتے ہیں۔

ان اعظم الجزاء مع اعظم البلاء ان اللہ عزوجل اذا احب قوماً ابتلاھم فمن رضی فلہ رضی ومن سخط فلہ السخط۔

ترجمہ: وہ زیادہ مرتبے حاصل کرتے ہیں جو زیادہ سختیاں برداشت کرتے ہیں، جن کے رتبے ہیں سو ان کو سوا مشکل ہے حق تعالیٰ جن لوگوں کو زیادہ محبوب رکھتا ہے تو ان کی آزمائش کرتا ہے پھر جو لوگ خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور جو ناک بھوں چڑھاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوتا ہے حق تعالیٰ نے ایسے اولوالعزم حضرات کے لیے زندگی کے ہر موڑ پر وعدہ فرمایا ہے کہ

ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون وعداً علیہ حقاً فی التورات والانجیل والقرآن ومن اوفی بعھدہ من اللہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ وذلک ھو الفوز العظیم۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کے جان اور مال خرید لیے ہیں۔ اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں تورات، انجیل اور قرآن میں اللہ کے ذمہ یہ سچا وعدہ ہے اللہ سے بڑھ کر کون اپنا وعدہ پورا کرسکتا ہے پس خوشخبری حاصل کرو۔ اس لین دین پر جو تم نے اللہ سے کیا ہے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

پس کوئی شخص کسی تحریک کو لے کر اٹھتا ہے تو اس کا مقصد حاصل کرنا ہی ضروری نہیں کہ وہ اگر مقصد حاصل نہ کرسکے تو وہ کامیاب نہیں بلکہ کامیابی کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ آخر وقت تک ثابت قدم رہے اور اسی راہ پر موت سے ہمکنار ہو جائے اور کچھ ایسے لوگ پیدا کرے جو اس کی

(باقی صفحہ ۲۴ پر)

حضرت مولانا عبیداللہ انور زید مجدھم نظام العلماء پاکستان کے ناظم اعلیٰ قرار پائے تو اس خوشی میں نظام العلماء لاہور نے ایک استقبالیہ ترتیب دیا۔ ۲۲؍اپریل ۸۱ء بروز بدھ شام ۵ بجے مولانا احمد علیؒ میموریل ہال شیرانوالہ دروازہ لاہور میں یہ تقریب منعقد ہوئی۔ اس موقعہ پر لاہور نظام العلماء کے سربراہ مولانا حمیدالرحمٰن عباسی نے جو سپاسنامہ پیش کیا وہ پیش خدمت ہے۔

حضرت مولانا انور نے جوابی تقریر میں جہاں نظام العلماء کے کارکنوں کا شکریہ ادا کیا وہاں انہیں اپنی ذمہ داریوں سے بھی آگاہ کیا، حوصلہ اور تحمل سے کام لینے کی تلقین کی۔ (ادارہ)

سپاسنامہ

بگرامی خدمت حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب دامت برکاتہم ناظم عمومی نظام العلماء پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ہم اراکین نظام العلماء پاکستان ضلع لاہور اس امر پر اطمینان و مسرت کا اظہار کرتے ہیں کہ آنجناب نے نظام العلماء پاکستان کے ناظم عمومی کی حیثیت سے ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں۔

جناب والا! آنجناب کے عظیم والد حضرت اقدس مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ العزیز نے علماء حق کے قافلہ کو منظم کرنے اور جمعیۃ علماء اسلام کی تشکیل نو میں جو فعال اور مجاہدانہ کردار ادا کیا وہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے اور آج علماء حق جد و جہد کے طویل مراحل سے گذر کر قومی سیاست میں ایک اہم مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں تو یہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی جد و جہد، دعاؤں اور توجہات کا نتیجہ ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ آپ اپنے عظیم باپ کے عظیم مشن پر چلتے ہوئے ولی اللّٰہی قافلہ کی راہنمائی کی شاہراہ پر عزیمت و استقامت کے ساتھ گامزن ہیں۔

جناب والا! قائد جمعیۃ حضرت مولانا مفتی محمودؒ قدس اللہ سرہ العزیز کی وفات حسرت آیات کے بعد قومی سیاست اور جماعتی قیادت کے محاذ پر علماء حق کو جو دھچکا لگا ہے اس کے اثرات ایک عرصہ تک محسوس کئے جاتے رہیں گے اگرچہ حضرت مفتی صاحبؒ کے خلاء کو پُر کرنا مشکل ہے لیکن حضرت درخواستی مدظلہ اور حضرت مفتی صاحبؒ کے بعد ایسی شخصیت جس کی بنیاد پر جماعتی شیرازہ کو متحد رکھا جا سکے آپ کے سوا اور کوئی نظر نہیں آتی یہی وجہ ہے کہ آپ کی علالت اور مصروفیات کے باوجود یہ ذمہ داری آپ کے سپرد کر دی گئی ہے۔

جناب والا! ہم یہ بات محسوس کرتے ہیں کہ آپ زیادہ متحرک کردار شاید ادا نہ کر سکیں لیکن ملک بھر میں جماعتی احباب کے اطمینان کے لئے یہی بات کافی ہے کہ جماعت کو آپ کی قیادت، راہنمائی اور دعائیں میسر ہیں اور آپ کے ساتھ حضرت مولانا محمد اجمل خاں، جناب مولانا صاحبزادہ فضل الرحمٰن صاحب مولانا زاہد الراشدی اور دیگر نوجوان حضرات کی رفاقت اس امر کی ضامن ہے کہ آپ کی قیادت میں ان حضرات کی صلاحیتیں مجتمع ہو کر جماعتی قافلہ کو شاہراہ عزیمت پر گامزن کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گی۔

حضرت والا! ہم آپ کو اور آپ کے رفقاء کو مکمل اعتماد و تعاون کا یقین دلاتے ہوئے دعاگو ہیں کہ اللہ تعالےٰ علماء حق کے اس قافلہ کو نظرِ بد سے بچائیں۔ اور آپ حضرات کی راہ نمائی میں ہمیں دینی و قومی معاملات میں بھرپور اور مؤثر کردار ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

آمین یا الٰہ العالمین!

منجانب :۔

حمیدالرحمٰن امیر و دیگر اراکین نظام العلماء ضلع لاہور

حافظ خالد محمود، ایم اے

قسط نمبر ۸

السیّد حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندی قدس سرّہٗ

مولانا مملوک علی

استاذ العلماء مولانا مملوک علی بن شیخ احمد علی نانوتہ ضلع سہارنپور میں تقریباً ۱۷۸۷ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیم

مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن نانوتہ میں حاصل کی اس کے بعد تحصیل علم کی غرض سے دہلی پہنچے اس زمانہ میں دہلی علوم مشرقی کا خاص مرکز تھا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کے نامور صاحبزادگان شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ علم کی شمع روشن کئے ہوئے تھے۔ مولانا مملوک العلی نے تبرکاً حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں ہدایت النحو کے کچھ اسباق پڑھے۔ پھر شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین کے تلمیذ خاص مولانا رشید الدین خان کی خدمت میں جملہ علوم متداولہ کی تحصیل کی اور اپنے ہمعصر علماء میں مشہور و معروف ہوئے۔

ملازمت

خیال یہ ہے کہ تحصیل علم کے بعد مولانا مملوک العلی نے دہلی ہی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا ہوگا۔ اور جب ۱۸۲۵ء کو دہلی کا مشہور مرکز علم مدرسہ غازی الدین "دہلی کالج" میں تبدیل ہوگیا تو مولانا رشید الدین سو روپیہ ماہوار مشاہرہ پر عربی کے صدر مدرس مقرر ہوئے اور نائب مدرس کی حیثیت سے مولانا مملوک العلی کا پچاس روپے ماہوار تقرر ہوا۔ مولانا مملوک العلی کے تقرر کی تاریخ یکم جون ۱۸۲۵ء ہے۔

مسٹر ٹامسن وزیٹر دہلی کالج نے ۸ نومبر ۱۸۴۱ء کو ایک رپورٹ میں مولانا مملوک العلی کے اضافہ تنخواہ کی سفارش کی کہ ان کو اسی روپے ماہوار تنخواہ ملنی چاہیئے۔ بالآخر مولانا کو ساٹھ روپے ملنے لگی۔

مولانا مملوک العلی کوچہ چیلاں دہلی میں رہتے تھے انہوں نے اپنا ذاتی مکان بنایا تھا۔

حج

۱۲۵۸ھ، ۱۸۴۲ء میں مولانا مملوک العلی نے کالج سے رخصت حاصل کی اور حج کے لیے تشریف لے گئے۔ تقریباً ایک سال اس مقدس سفر میں لگا۔

مولانا مملوک العلی خانوادہ ولی اللّٰہی کے فیض یافتہ اور اسی خاندان سے ان کی نسبت تلمذ تھی وہ اپنے زمانہ طالبعلمی سے اپنے انتقال تک تقریباً تہائی صدی سے زیادہ دہلی میں رہے اور ایک عالم و مدرس کی حیثیت سے مشہور و معروف ہوئے۔ وعظ و تذکیر اور تصنیف و تالیف سے کچھ تعلق نہ تھا۔ درسی ضرورت سے دو تین کتابوں کا ترجمہ کیا۔ ان کا خاص میدان درس و تدریس تھا اور اس اعتبار سے وہ مشہور ہوئے۔ کالج کے علاوہ ایک جماعت ان کے گھر پر بھی استفادہ کرتی تھی۔

دہلی کالج کے تمام پرنسپل مولانا مملوک العلی پر بہت اعتماد کرتے تھے اور ہر سالانہ رپورٹ میں ان کی تعریف کی گئی ہے ایک موقع پر گورنر جنرل بہادر نے مولانا مملوک العلی کو انعام سے بھی نوازا۔

مولانا مملوک العلی نہایت متواضع، حلیم بردبار اور منکسر المزاج تھے۔ وعظ و تذکیر کی عادت نہ تھی۔ سادہ لباس پہنتے تھے۔ اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے خاص تعلقات تھے۔

مولانا مملوک العلی ۱۲۵۹ھ میں حج سے سیدھے دہلی واپس آئے اور تعطیل کے موقع پر ذی الحجہ ۱۲۵۹ھ میں اپنے وطن نانوتہ گئے اور صاحبزادہ مولانا محمد یعقوب اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کو تعلیم کی غرض سے اپنے ہمراہ دہلی لائے اور وہاں نہایت توجہ سے ان دونوں کی تعلیم و تربیت کی، ایک

سال کے بعد مولانا رشید احمد گنگوہی بھی ان کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہوگئے۔ ان اقطاب ثلاثہ کی تعلیم و تربیت مکمل ہو چکی تھی کہ مولانا مملوک العلی کو پیامِ اَجل آگیا اور وہ گیارہ دن یرقان کے مرض میں مبتلا ہوکر ۱۱ر ذوالحجہ ۱۲۶۷ھ مطابق ۷ر اکتوبر ۱۸۵۱ء کو راہی ملکِ بقاء ہُوئے اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے خاندانی قبرستان مہندیوں میں دفن ہُوئے۔

تلامذہ

مولانا مملوک العلی کے تلامذہ کی تعداد کا احاطہ ناممکن ہے ان کے ممتاز شاگردوں میں سے چند نام یہ ہیں۔

مولانا مظہر علی نانوتوی، مولانا محمد احسن نانوتوی، مولانا محمد منیر نانوتوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی، مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا ذوالفقار علی دیوبندی، مولانا فضل الرحمٰن دیوبندی، شمس العلماء محمد حسین آزاد، مولوی کریم الدین پانی پتی، مولوی سمیع اللہ، مولوی ذکاء اللہ،

تصانیف

مولانا مملوک علی کا تمام وقت درس و تدریس میں صرف ہوتا تھا دن اور رات ان کے یہاں طلباء کا ہجوم رہتا تھا۔ لہٰذا تصنیف و تالیف کے لیے وقت ہی نہیں ملتا تھا۔ دہلی کالج کی طرف سے جن کتابوں کا ترجمہ ہوتا تھا، ان میں سے اکثر کی وہ نگرانی و نظرثانی کرتے تھے۔ مندرجہ ذیل کتابوں کے ترجمے خود مولانا مملوک العلی نے کئے ہیں۔

تحریر اقلیدس

۱۸۴۳ء میں دہلی کالج کے پرنسپل ان کی تحریک پر تحریر اقلیدس کے اوّل کے چار مقالوں اور آخر کے گیارھویں اور بارھویں مقالوں کا عربی سے اُردو میں ترجمہ کیا اس کے ترجمہ کے متعلق مولوی کریم الدین لکھتے ہیں:

"ترجمہ اردو زبان میں پانی کر دیا اور بہت اچھی طرح سے ہر ایک مشکل کو حل کیا ہے۔"

تحریر اقلیدس ۱۸۴۹ء میں ایک سو پچاس اور ۱۸۵۱ء میں تین سو کی تعداد میں طبع ہُوئیں۔

ترجمہ سنن ترمذی

چونکہ یہ کتاب دہلی کالج کے نصاب میں شامل تھی۔ اس لیے مولانا مملوک العلی نے اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا۔

تاریخ یمینی

تاریخ یمینی بھی دہلی کالج کے نصاب میں شامل تھی اس کا اُردو ترجمہ بھی مولانا مملوک العلی نے کیا۔ اس کتاب کا خطی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی (کلکتہ) کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

عربی خط (غیر منقوطہ)

مولوی کریم الدین نے تذکرہ فرائد الدہر میں مولانا مملوک العلی کا ایک عربی خط نقل کیا ہے جو انہوں نے شہزادہ فیروز شاہ کو لکھا تھا۔

مولانا کے نامور فرزند مولانا محمد یعقوب نانوتوی ہیں[1] (ملخص از مولانا محمد احسن نانوتوی مؤلفہ محمد ایوب قادری، مکتبہ عثمانیہ کراچی ۱۹۶۶ء بار اوّل ص۱۷۷-۱۸۸)

مولانا مملوک العلی، مولانا ذوالفقار علی دیوبندی کی نظر میں

مولانا مملوک العلی کے ممتاز شاگرد مولانا ذوالفقار علی نے، اپنے استاذ سے متعلق اپنی ایک عربی تصنیف الھدیہ السنیہ فی ذکر مدرسۃ الاسلامیہ الدیوبندیہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کا ترجمہ ہم نقل کرتے ہیں:۔

"بلند ہمت امام لوگوں کے اُستاد، شیخ الاسلام مسکینوں کی پناہ یتیموں کی حفاظت، ظاہری و باطنی فضیلت کی باگوں کے مالک مولانا و سیدنا مولوی مملوک علی صدیقی النسب خدا ان سے راضی ہو اور ہم سب کی طرف سے خدا ان کو راضی رکھے۔

ایسے روشن نسب کہ گویا سورج نے اپنی چادر ان کو اوڑھا دی ہے اور گویا کہ روش چاند نے اپنا نور اور روشنی ان کو بخش دی ہے۔ وسیع دل والے، بلند شہرت والے محققین کے دائرے کے مرکز، انبیاء و رسول کے علوم کے وارث، معرفت و ہدایت خزانہ تھے، آپ اللہ کے عاجز بندے اور طا کے لیے نہایت مہربان باپ، اخلاق محمد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم معظم و مکرّم کی سی اچھی عادات والے، ان ان کلی مثال و ت والے علماء ہیں جو علوم کے محل کے ستون پائی نہیں جاتی اور اللہ کے لیے ہی بھلا شعر کہنے والے کی گویا کہ اس نے یہ شعر انہی کے بارے میں کہا ہے:۔

تیری صورت سے نہیں ملتی کسی کی صورت

ہم جہاں میں تیری تصویر لیے پھرتے ہیں

اور ان کے دریائے فیض سے لوگوں نے فیض حاصل کیا اور آسمان کے ستاروں کی مانند ان کے شاگردوں کی کثرت ہُوئی یا سمندر کے قطروں کی مانند طلبہ نے ان سے پڑھا اور لائق فائق ہُوئے اور تحصیل علم سے فارغ ہوئے اور ماہر ہوگئے اور پورا فائدہ حاصل کرنے کے بعد دوسروں کو فائدہ علمی پہنچانے میں انہوں نے پوری کوشش کی۔ جس نے بھی ایک دن کے لیے ان کی دہلیز کو چوم لیا تو وہ کامیاب ہوگیا اور جس نے ان کی مقدس چوکھٹ سے اگرچہ ایک گھڑی کے لیے ہی پناہ پکڑی وہ بھی فلاح پاگیا، تاآنکہ علوم کے باغات ان کے فیوض کی بارشوں سے سبز ٹیلوں والے اور پُر واتر ہواؤں والے بن گئے اور ان کے پھل پروان چڑھ گئے اور ان باغوں کے پرندے چہچہانے لگے اور ان کی نہریں ابلنے لگیں اور ان علم کے باغوں کے پیلو کے درختوں کے منبروں پر قمریوں نے خطبے دینے شروع کر دیئے اور شگوفے اپنے پھولوں کے چہروں سے ہنسنے لگے جبکہ ان کے پانی خشک ہوگئے تھے اور ان کی تازگی ختم ہوگئی تھی اور ان کی آگ بجھ گئی تھی۔ اور ان کے دریا جم گئے تھے ان کا بازار کھوٹا پڑ گیا تھا اور ان کا تذکرہ ماند پڑ گیا تھا، ان کی رسم محو ہوگئی تھی اور ان کے دریا مٹ چکے تھے، ان میں کوئی غم خوار باقی نہیں رہا اور نہ کوئی راتوں کو باتوں میں گزارنے والے نے باتیں کیں اور نہ خبر دے گا تجھ کو خبیر کی طرح،

پس علم نے ان سے تعلق رکھنے والوں، ان سے استفادہ کرنے والوں اور ان کے متعلقین کے سوا اور کہیں پائے جانے سے انکار کر دیا پس جو بھی کوئی کتاب اُٹھائے ہُوئے ہے وہ ان کے احسان و منت کا ٹیکا گلے میں ڈالے ہوئے ہے اور نہ کوئی قلم ہاتھ میں لینے والا ہے مگر وہ ان کی دہلیز پر اپنی پیشانی رگڑتا ہے پس اللہ کے لیے ہے بھلائی ایک ایسے سورج کی جس نے نور، روشنی، چمک اور رونق سے دنیا کو بھر دیا اور علم کے چاند اور ثوابت اور سیارے روشن کر دیئے اور ایک ایسا ستارہ کہ اس سے جہالت اور گمراہی کی تاریکیوں میں مسافر اور ہلاکت اور عبرتناک سزا کی زیادتی میں حیران انسان ہدایت دیا جاتا ہے اور ایک ایسا دریا کہ بخشش اور حیا، سخا اور عطا میں اس جیسا نہیں دیکھا گیا وہ ایک ایسا بادل تھے کہ ان کی بارش ہر قحط زدہ اور سرسبز جگہ اور چٹیل میدان اور قحط زدہ زمین پر برسی اور ایک ایسا باغ تھے کہ اس کی خوشبو سے دنیا معطر ہوگئی اور جس نے روحوں کو اپنی نسیم و صبا ہواؤں سے راحت پہنچائی اور وہ ایک شیریں و خوشگوار دریا تھے کہ جس نے اپنے پاس آنے والے علم کے پیاسوں کو سیراب کیا اور جہالت کے مریضوں کی دوا کی اور ان کو شفا بخشی۔ پس ان کو اللہ تعالیٰ ان کے شاگردوں کی طرف سے جبتک سورج دمکتا رہے اور بجلی چمکتی رہے اور چاند نکلتا رہے۔ اور بارش برستی رہے۔ جزائے خیر عطا فرمائے۔"[1] (الھدایۃ السنیہ از مولانا ذوالفقار علی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۷ھ ص۶-۷ ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور ۱۹۶۹ء ص۹۶-۹۹ اردو ترجمہ بھی پروفیسر مذکور کا کیا ہوا ہے)

مولانا مملوک علی سرسیّد کی نظر میں

"علم معقول و منقول میں استعداد کامل اور کتب درسیہ کا ایسا استحضار کہ اگر فرض کرو کہ ان کتابوں سے گنجینۂ علم خالی ہو جائے تو ان کی لوح حافظہ سے پھر نقل ان کی ممکن ہے ان سب کمال اور فضیلت پر خلق و علم احاطہ تحریر سے افزوں تر ہے[2] (آثار الصنادید از سرسیّد احمد خاں (نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۷۶ء حصّہ دوم ص۷۵)

مولانا مملوک علی مولانا رشید احمد کی نظر میں

"ابتداء میں ہم دہلی میں دوسرے اساتذہ سے پڑھتے تھے لیکن تسکین نہیں ہوتی تھی کہیں سبق تھوڑا ہوتا تھا، کہیں شبہات کا جواب نہ ملتا تھا۔ جب مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے تو اطمینان ہوگیا اور بہت تھوڑے عرصہ میں کتابیں ختم کرلیں گویا استاد نے گھول کر پلا دیا فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں اچھے اچھے استاد دہلی میں موجود تھے مگر ایسے استاد کہ مطلب پوری طرح ان کے قابو میں ہو۔ اور انواع مختلفہ سے تقریر کرکے شاگرد کے ذہن نشین کر دیں۔ ایک ہمارے استاد مولانا مملوک علی اور دوسرے ہمارے استاد

تحریر: محمد شفیع عمر الدین (میرپور سندھ)

شریعت کی پیروی فرض ہے

شریعت را مقدم دارا کنوں
حقیقت از شریعت نیست بیروں

طریقت و حقیقت دونوں شریعتِ مطہرہ کی خادم ہیں اور طریقت و حقیقت دونوں شریعت سے علیحدہ چیزیں ہرگز نہیں ہیں کامیابی کا راستہ شریعت کی پابندی کے ساتھ وابستہ ہے سلوک و تصوّف کی بنیاد شریعت کی پابندی اور بدعت سے اجتناب پر رکھی گئی ہے اس کی حقیقت صداقت حضرات اکابرین کے ارشادات سے ثابت ہوتی ہے۔

ارشادات حضرت سیّدنا امام ربّانی مجدّد الف ثانی قدس سرّہٗ

(۱) "طریقت و حقیقت" جن سے حضرات صوفیائے کرام ممتاز ہوئے ہیں، وہ دونوں شریعت کی خادم ہیں۔

(از مکتوب - ۳۶ - دفتر اوّل)

(۲) یاد رہے کہ: "حقیقت" کے معنی "شریعت کی حقیقت" ہے یہ بات ہرگز نہیں ہے، کہ حقیقت اور طریقت شریعت سے جُدا چیزیں ہیں اور "طریقت" کا مفہوم یہ ہے کہ "حقیقتِ شریعت" کے ذریعے "طریق وصول" (الی اللہ) ہے اور طریقت خود کوئی ایسا امر نہیں ہے جو شریعت و حقیقت سے علیحدہ ہو۔ (معارف لدنیہ ص)

(۳) لہٰذا اپنے ظاہر کو ظاہری احکامِ شرع سے اور باطن کو باطنی شرعی احکام سے آراستہ پیراستہ رکھیں۔ "حقیقت کا یہی مطلب ہے کیونکہ "حقیقت و طریقت" کے معنیٰ شریعت کی حقیقت اور شریعت کی طریقت" ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ کہ شریعت ایک علیحدہ چیز ہے۔ اور "طریقت و حقیقت" دونوں شریعت کے سوا علیحدہ چیزیں ہیں۔ ایسا خیال کرنا الحاد و زندقہ (بے دینی) ہے۔

(از مکتوب - ۵۷ - دفتر اوّل)

(۴) (یاد رہے کہ) شریعت کے دو جزو ہیں (۱) اعتقادی اور (۲) عملی۔ اعتقاد دین کی اصل ہے اور عمل اس کی شاخ ہے۔ جو شخص (شرعی) اعتقاد کا منکر ہو وہ نجات پانے والوں میں سے نہیں ہے اور اسے عذاب اخروی سے چھٹکارا نہیں ہے۔ (از مکتوب - ۱۷ - دفتر سوم)

(۵) (لہٰذا) دنیائے فانی کی لذتیں اور نعمتیں اس وقت گوارا اور حلال و تحلیل ہوتی ہیں، جب ان کے ضمن میں شریعت روشن کے مطابق عمل کیا جائے اور آخرت کے لیے ذخیرہ جمع کیا جائے ورنہ وہ اس زہر کی طرح ہیں جو شکر میں لپٹا ہوا ہو جس سے بے وقوف اور نادان ہی دھوکہ کھاتے ہیں۔ اگر حکیم مطلق جل شانہٗ (کے شرعی اوامر و نواہی) کے تریاق سے اس زہر کا علاج نہ کیا جائے اور شرعی اوامر و نواہی کی تلخی سے اس شیرینی کا تدارک نہ کیا جائے تو سراسر ہلاکت کا موجب ہے شریعت جس میں سراسر آسانی و سہولت ہے اور تھوڑے سے تردد اور کوشش کے ساتھ بڑی آسانی سے دائمی ملک ہاتھ آ جاتا ہے اور تھوڑی سی غفلت اور سستی سے یہ جاودانی اور ہمیشہ کی دولت ہاتھ سے نکل جاتی ہے عقل دور اندیش سے کام لینا چاہیے (از مکتوب ۵۴ دفتر سوم)

(۶) "صوفیائے خام" ذکر و فکر کو ضروری سمجھ کر فرضوں اور سنتوں کے بجا لانے میں سُستی کرتے ہیں اور چلہ اور ریاضتیں اختیار کر کے نماز جمعہ و جماعت کو ترک کر دیتے ہیں وہ یہ نہیں جانتے کہ ایک فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہزاروں چلّوں سے بہتر ہے۔ ہاں! آدابِ شرعیہ کو مدّ نظر رکھ کر ذکر و فکر میں مشغول ہونا بہتر اور ضروری ہے (از مکتوب ۲۶ دفتر اوّل)

(۷) لہٰذا فضیلت سنت کی تابعداری میں ہے اور بزرگی حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی فرمانبرداری میں ہے۔ مثلاً دوپہر کے وقت سونا جو سنت کی پیروی میں ہو، ان کروڑوں شب بیداری سے اولیٰ و افضل ہے جو سنت کی متابعت میں نہ ہوں۔ اور اسی طرح عید الفطر کے دن روزہ نہ رکھنا جیسا کہ شریعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ ان دائمی روزوں سے بہتر ہے جو شریعت کے مطابق نہ ہوں۔ اسی ایک روپیہ کا شارع علیہ السلام کے حکم کے مطابق دینا اپنی مرضی سے (شرعی حکم کے سوا) سونے کا پہاڑ خرچ کرنے سے زیادہ بلند مرتبہ رکھتا ہے۔

(۸) لہٰذا حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز نماز فجر ادا فرمائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف نظر دوڑائی ان میں سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو جماعت میں نہ پایا۔ اس کے بارے میں دریافت فرمایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ وہ ساری رات کو زندہ رکھتے ہیں (یعنی رات بھر نفلی عبادت کرتے ہیں) ممکن ہے کہ اس وقت وہ سو رہے ہوں، حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر وہ ساری رات سویا رہتا اور فجر کی نماز باجماعت ادا کرتا تو بہتر تھا۔

اہلِ ضلالت (گمراہوں) نے بہت سی ریاضتیں اور مجاہدے کئے ہیں کیونکہ وہ شریعت حقانی کے موافق نہیں تھے۔ اس لیے وہ بے اعتبار و خوار ہیں۔ اگر ان سخت اعمال سے کچھ اجر مترتب بھی ہو تو وہ محض دنیاوی فائدہ تک محدود ہے اور تمام دنیا کیا ہے؟ (کچھ بھی نہیں اس لیے) اس سے کسی بھی نفع کا کوئی کیا اعتبار کرے؟ .... جو عمل شرعی احکام کے مطابق کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ (اور شریعت کی پابندی کے بغیر) اس کے خلاف جو کام کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے لہٰذا اس عمل سے ثواب کی اُمید کیسے ہو سکتی ہے۔ بلکہ اس سے تو الٹا عذاب کی توقع ہے۔ ...... اس لیے سب سعادتوں کا سرمایہ سنت ہی کی تابعداری ہے اور سب فسادوں کی بنیاد شریعت کے برخلاف چلنا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ثابت قدم رکھے۔

(از مکتوب ۱۱۴ - دفتر اوّل)

(۹) لہٰذا چند روزہ زندگی حضرت صاحب شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتحیۃ کی پیروی میں بسر کرنی چاہیئے۔ آخرت کے عذاب سے نجات اور جنت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے سرفراز ہونا اس اتباع کی سعادت کے ساتھ وابستہ ہے (از مکتوب ۷۰ - دفتر اوّل)

(۱۰) دوسری نصیحت شریعت پر استقامت حاصل کرنے کے بارے میں ہے اپنے "احوال" کو اصول شرعیہ کے مطابق درست رکھیں اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے اگر کسی قول اور فعل میں شریعت کے خلاف کوئی بات پیدا ہو۔ تو اس میں اپنی خرابی سمجھنی چاہیئے استقامت والے بزرگوں کا یہی طریقہ ہے۔ (از مکتوب - ۲۴۰ - دفتر اوّل)

(۱۱) لہٰذا جو باتیں شریعت نے منع کی ہیں انہیں زہر قاتل جاننا چاہیئے۔

(از مکتوب ۸۱ - دفتر سوم)

(۱۲) پس حضرات مشائخ کے طریقوں میں سے جس طریقہ میں شریعت کے احکام کی زیادہ پابندی ہوگی وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے والے سب طریقوں میں سے زیادہ قریب طریقہ ہوگا۔ اور یہ طریقہ نقشبندیہ ہے۔

(از مکتوب ۹ - دفتر سوم)

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ج (الحشر آیت)

ترجمہ: جو کچھ تمہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم دے اسے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو۔

پس نجات کا دارو مدار دو چیزوں پر ہے (۱) اوامر پر عمل کرنا اور (۲) نواہی سے اجتناب کرنا اور ان دونوں میں آخری معظم ترین جزو کو تقویٰ اور پرہیزگاری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک شخص کی عبادت و ریاضت کا ذکر کیا گیا اور دوسرے شخص کی پرہیزگاری کا بیان کیا گیا آپ نے فرمایا:- لَا تَعْدِلْ بِالرِّعَةِ شَيْئًا يَعْنِي الْوَرَعُ - (پرہیزگاری کے برابر اور کوئی چیز نہیں ہے۔)

نیز: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
مَلَاکُ دِیْنِکُمُ الْوَرَعُ
یعنی دین کے کام کا دارومدار پرہیزگاری پر ہے (از مکتوب ۷، دفتر اول)

ارشادات حضرت سیدنا ومرشدنا خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہ

(۱) سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ کامیابی کے تمام راستے بند ہیں سوائے اس شخص کے راستہ کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نشان قدم کی پیروی کرے۔

حضرت سید الطائفہ قدس سرہٗ کا یہ قول بھی ہے کہ مقربین صادقین کا راستہ درحقیقت "کتاب وسنت" کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ علماء جو شریعت و حقیقت پر عامل ہیں اور وارث النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کہلانے کے مستحق ہیں وہ اقوال، اخلاق اور افعال میں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ہوتے ہیں۔ (از مکتوب ۱۱۰ دفتر دوم)

(۲) الغرض جو کمال بھی ہے وہ احکامِ شرعیہ کی ادائیگی سے وابستہ ہے شریعت سے علیحدہ ہوکر کوئی کمال نہیں، بلکہ ضلالت و گمراہی ہے۔ فَمَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ (یونس آیت ۲۲)

ترجمہ: حق کے بعد گمراہی کے سوا اور ہے کیا؟۔ قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سب کے سب ادائیگی احکام شرعیہ کی دعوت دیتے ہیں صراطِ مستقیم یہی ہے۔ اس کے علاوہ سب راستے شیاطین کے راستے ہیں۔

(۳) کوئی شخص کسی وقت شریعت سے مستغنی نہیں ہو سکتا...... اس لیے شرعی اوامر ونواہی پر عمل کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔

(۴) لہٰذا کام کا مدار اتباعِ شریعت پر ہے (از مکتوب ۱۱۰ دفتر دوم)

(۵) حضرت ابوعمر بن نجید السلمؒ سے دریافت کیا گیا کہ حضرت تصوّف کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اَلصَّبْرُ تحت الامر والنھی (یعنی شرعی اوامر و نواہی پر ڈٹ کر کاربند رہنا ہی تصوّف ہے (ایضاً)

(۶) لہٰذا سالک کو چاہیئے۔ کہ شریعت کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور تکلّف کے ساتھ احکام بندگی بجا لائے جائیں۔ (از مکتوب ۶ دفتر سوم)

بقیہ: حق وباطل کی کشمکش

تحریک لے کر اٹھیں۔ اور رفتہ رفتہ بڑھتے رہیں۔ اگر بہت سے آدمی اس سلسلہ میں ضائع ہوکر آخر میں کوئی شخص مقصود تک پہنچ جائے تو یہ کامیابی تنہا اس شخص کی نہ کہلائے گی بلکہ جتنے لوگوں نے شروع سے کام کیا ہے۔ اس کامیابی میں سب شریک ہیں مثلاً اگر کسی بڑے درخت کو کاٹنے کے لیے دس آدمی مقرر ہیں اور ہر شخص اپنے اپنے نمبر پر اپنا فریضہ جانفشانی سے ادا کریں۔ اور دسواں آدمی اس درخت کو گرادے تو تنہا وہ شخص کامیاب نہ کہلائے گا بلکہ سب لوگ اس کامیابی میں شریک کہلائیں گے پھر دینی امور میں صرف عمل میں کامیابی مقصود نہیں۔ بلکہ حصول رضائے الٰہی مقصود ہے جو ہر حالت میں حاصل ہے۔ نصرت الٰہی کا مقصد ہی یہ ہے کہ ان کے قلب کو روحانی قوت سے بھر دیا جائے جس کی وجہ سے وہ ثابت قدم رہتے ہیں اور مصائب کی وجہ سے ہراساں نہیں ہوئے یہ بات کہ ایمان میں پختہ ہونے، عبادت کا پابند ہونا اعمال خیر اور اخلاق حسنہ اختیار کرنے سے کیا انسان کو دنیا کی بادشاہت مل جاتی ہے اور اقتدار حاصل ہو جاتا ہے سو بات یہ ہے ایمان وعمل خیر و اخلاق حسنہ، اخلاقی و روحانی امور ہیں جن سے اخلاقی روحانی قوت طاقت حاصل ہوتی ہے پھر اخلاقی و روحانی اقتدار حاصل ہو جاتا ہے کہ ایسا انسان جو دوسروں کے دلوں کو موہ لیتا ہے اور جب اس کے ساتھ اخلاقیت وروحانیت کی روشنی میں مادی طاقتوں کو بھی کام میں لاتا ہے اور وہ مادی اقتدار اور بادشاہت بھی حاصل ہوتی ہے بلکہ یہ چیز اسلامی مقاصد میں داخل نہیں ہے۔ اصل مقصود رضائے الٰہی ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

آیت کریمہ

جامع مسجد شیرانوالہ میں ۷ مئی بروز جمعرات بعد نماز مغرب آیت کریمہ پڑھی جائے گی انشاءاللہ

بچیوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنا
وقت کی اہم ضرورت اور نجاتِ اُخروی کا سبب ہے

رپورٹ: ظہیر میر

پیر طریقت حضرت مولانا عبیداللہ انور دامت برکاتہم

گذشتہ روز مدرسۃ البنات اندرون شیرانوالہ دروازہ لاہور میں ایک انتہائی سادہ تقریب تقسیمِ اسناد منعقد ہوئی جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور دامت برکاتہم نے بطور مہمانِ خصوصی اس تقریب سعید میں شرکت فرمائی۔ حضرت اقدس نے انجمن خدام الدین کا امیر ہونے کی حیثیت سے بچیوں میں اسناد تقسیم فرمائیں اور سکول کا نتیجہ پڑھ کر سنایا۔ اس موقع پر مشروبات اور مٹھائی سے مہمانوں کی تواضع کی گئی۔ حضرت اقدس نے اس موقع پر انتہائی جامع اور مختصر خطاب فرمایا۔ حضرت اقدس کی یہ تقریر پیش کی جا رہی ہے۔

○

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:۔

خطبۂ مسنونہ کے بعد پیر طریقت حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ العالی نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "خدا کا ہم پر لاکھ لاکھ احسان ہے جس نے ہمیں انسان بنایا وہ اس چیز پر قادر تھے کہ ہمیں انسان کی بجائے حیوان کی شکل دے دیتے یا کوئی اور چیز بنا دیتے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا اور بڑا احسان یہ ہے کہ ہمیں مسلمان بنانے کے ساتھ ساتھ صحیح العقیدہ بنایا۔ آپ کے ملک میں ہی طرح طرح کے فرقے موجود ہیں جو لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں ــــ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امّت میں تہتّر فرقے ہوں گے اور ان میں سے بہتر فرقے جہنمی ہوں گے صرف ایک فرقہ جنّتی ہوگا۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا ــــ یا رسولؐ اللہ! وہ فرقہ کونسا ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا وہ لوگ جو میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقوں پر چلیں گے وہ جنّتی ہوں گے۔

بعض لوگ آج اسلام پر چلنے والے لوگوں کو دقیانوسی ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔ انہیں پرانے فیشن کا پجاری کہتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ جب تک تم قرآن کو تھامے رکھوگے، اس کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلتے رہوگے، تم ہمیشہ کامیاب رہوگے۔ مسلمان اُسی وقت تباہ و برباد ہوئے، جب انہوں نے قرآن و حدیث سے منہ موڑا۔ جب تک تم قرآن اور حدیث کے مطابق زندگی گذارتے رہوگے کبھی ناکام نہیں ہوگے۔ ہمارے ہاں اس مدرسہ میں جو تعلیم دی جا رہی ہے اس کا نصاب مروّجہ سرکاری نصاب سے یکسر مختلف ہے مجھے ان بچیوں کی زبانی قرآن، حدیث اور خلاصۃ المشکوٰۃ کے اسباق سن کر انتہائی خوشی ہوئی ہے۔ ریڈیو پر اکثر بڑے بڑے دانشوروں اور پروفیسروں کی تقریریں سنتا رہتا ہوں۔ آپ یقین کریں کہ بڑے بڑے دانشور اور پروفیسر عربی کے دو لفظ تک صحیح نہیں بول سکتے اور نہ پڑھ سکتے ہیں۔ ان بچیوں نے جس طرح صحیح تلفّظ اور ادائیگی سے قرآن پڑھا ہے۔ مجھے یہ سن کر بے حد

خوشی ہوئی ہے۔ ابھی قاری صاحب بتلا رہے تھے کہ ملائیشیا میں ساری دنیا کے قاریوں کا مقابلہ حسنِ قرأت ہوا۔ وہاں ایک بچی سب سے اول نمبر پر آئی ہے۔ ملائیشیا میں لوگ قرآن بہت اچھا پڑھتے ہیں اور خاص طور پر ملائیشیا کی بچیاں قرآن پڑھنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔ مجھے امید ہے کہ جن بچیوں نے آج یہاں کامیابی کی اسناد حاصل کی ہیں اور قرآن اور حدیث سنائی ہے وہ قوم اور ملک کے لئے نیک فال ثابت ہوں گی۔ مستقبل ان بچیوں کے ہاتھ میں ہے۔ ملک اور قوم کو ان سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ ماں کا بچے کی تربیت پر خاصا گہرا اثر ہوتا ہے۔ بیس سال پہلے ماں کے دودھ میں بچے کے لئے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

ایک دفعہ پی آئی اے کے ریٹائرڈ ائر مارشل نور خان جو اُن دنوں پنجاب کے گورنر تھے سے ملاقات ہوئی انہوں نے مجھے ملاقات کے لئے بلایا میں میاں صادق صاحب کے ہمراہ گیا تو انہوں نے کہا۔ کہ میری بیوی نے آپ کا سکول دیکھا ہے وہ اس سے بہت متاثر ہوئی ہے۔ میں ان کی زبانی "مدرسۃ البنات" کی کارکردگی سن کر بہت متاثر ہوا ہوں۔ اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو میں اپنی گورنری کے آخری دنوں میں اس مدرسہ کے لئے کچھ کر جاؤں۔ لیکن حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے منع فرما دیا تھا۔ گورنر ریٹائرڈ ائر مارشل نور خاں نے کہا کہ میں بچوں کی نسبت بچیوں کی صحیح تعلیم کا زیادہ قائل ہوں کیونکہ ایک بچی کی تعلیم سے پورے معاشرے کی تعمیر ہوتی ہے۔ ماں کی گود بچے کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ یہ بچیاں قوم اور ملک کے لئے انتہائی سود مند ثابت ہوں گی۔ اللہ انہیں استقامت سے مزید تعلیم حاصل کرنے کی توفیق دے۔ ان بچیوں کے والدین بھی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ جنہوں نے اپنی بچیوں کو دین کی تعلیم کے لئے اس مدرسہ میں بھیجا۔ میں یہاں کے اساتذہ کو بھی مبارکباد دیتا ہوں جنہوں نے انتہائی محنت اور لگن سے بچیوں کو تعلیم دی اللہ انہیں اس کا اجر دے۔ یہ صدقہ جاریہ ہے انہیں دین اور دنیا دونوں جہانوں میں سرخروئی ہوگی۔

آخر میں ہم قاری صاحب کے بھی بے حد مشکور ہیں جنہوں نے یہاں کے اساتذہ کو قرآن پڑھایا اصل میں یہ بنیاد کا پتھر انہوں نے ہی رکھا ہے۔ اگر عمارت کی پہلی اینٹ صحیح نہ ہو تو ساری عمارت ٹیڑھی رہتی ہے۔ اگر عمارت کی بنیادی اینٹ صحیح رکھی جائے تو عمارت بالکل صحیح رہتی ہے۔

بہرحال مجھے امید ہے کہ ان سب حضرات کی محنتیں ایک دن ضرور رنگ لائیں گی۔

آخر میں حضرت اقدس نے دعا فرمائی اور یوں یہ تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

بقیہ: مولانا ذو الفقار علی دیوبندی

مفتی صدر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہم[1]

[1] تذکرۃ الرشید از مولانا عاشق الٰہی (محبوب المطابع دہلی بار دوم ص ۳۰-۳۱)

مولانا مملوک علی، مسٹر ٹامسن وزیٹر دہلی کالج کی نظر میں

(انگریزی تحریر کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو)

"وہ عربی کے بہت بڑے فاضل اور شہر دہلی میں ان کا بہت احترام ہے"[1]

[1] (رپورٹ جنرل کمیٹی ۳ر نومبر ۱۸۴۱ء (جنرل پروسیڈنگ جلد چہارم) بحوالہ مولانا محمد احسن نانوتوی از محمد ایوب قادری (مکتبہ عثمانیہ کراچی ۱۹۶۶ء بار اول)، ص ۱۷۳) (باقی آئندہ)

پیغام

کہ جز نکوئی اہلِ کرم نخواہد ماند'

(از متولی ضیاء الاسلام صاحب ضیا رئیس کاندھلہ ضلع مظفر نگر)

کرے نہ عظمت و جبروت پر غرور بشر — خزاں نصیب ہے یہ گلشن جہاں منظر

لکھا ہے کل کے لیے کیا نہیں کسی کو خبر — یہ زندگی ہے فقط خندۂ چراغِ سحر

کہاں ہے شوکتِ فغفور و ازبک و سنجر — اب اک فسانۂ ماضی ہے صولتِ قیصر

تڑپ رہا ہے یہ دارا کا لاشۂ بے سر — رواں ہے دوشِ صبا پر وہ خاک اسکندر

غذائے مور ہے تیمورِ لنگ کا لشکر — پڑا ہے خاک میں چنگیز خاں کا کاسۂ سر

ہے حرزِ جان جہاں نامِ پاکِ پیغمبرؐ — جہاں میں عظمتِ صدیقؓ کا عیاں ہے اثر

ہے یادگارِ زمانہ ہنوز عدلِ عمرؓ — ہے ناز دہر کو حلم و سخائے عثمانؓ پر

قلوب پر ہے مسلّم حکومتِ حیدرؓ — ہیں زندہ حمزہؓ و ضرارؓ و خالدؓ و بوذرؓ

ضیاؔ بچشمِ حقیقت نگر، بیا بنگر — بریں رواقِ زبرجد نوشتہ اند بہ زر

کہ جز نکوئی اہلِ کرم نخواہد ماند